سلسلۂ دارالمصنفین

نمبر ۲۰

مقالۂ روسو

جسمیں

فرانس کے مشہور قلمی انقلابی ہیرو، روسو

نے

علوم وفنون کے افادی اثرات ونتائج کی تنقید کی ہے

مترجمہ

صاحبزادہ ظفر حسین خاں سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس پیلی بھیت

باہتمام مسعود علی ندوی

درمطبع معارف اعظم گڑھ چاپ شد

۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء

۷۸۶

مقدمۂ مترجم

غمِ عشاق نہو۔ سادگی آموزِ بتان　　　کس قدر خانۂ آئینہ ہی ویران مجھ سے

روسو کو، تعلیم اور سیاسیات کے ساتھ وہی نسبت ہی جو کوپرنکس کو ہئیت سے اور کنیٹ کو الٰہیات سے ہی، اِس نے بھی، اِن دونون کی طرح، متعارف نقطۂ نظر کو یکسر الٹ دیا ہی اور آج دنیائے سیاست و تعلیم کا بیشتر حصّہ جو کچھ دیکھتا ہی، روسو ہی کے زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہی،

دیباچہ کے حدود تفصیل کے متحمل نہین ہوسکتے، سرِ دست صفحاتِ ذیل کی وساطت سے روسو کا محض تعارف کرا دینا مقصود ہی، اگر ملک و قوم نے چاہا تو آیندہ اِس کے اصولِ تعلیم و فلسفۂ سیاستِ مدن کا ترجمہ بھی پیش کش ہوسکیگا کہ اصل روسو یہی ہی، یہ رسالہ جو اِس وقت ناظرین کے ہاتھ مین ہی کہنا چاہیئے کہ اوس کی ایک قلم برداشتہ تحریر ہی جس مین منطقی ترتیب و استدلال پر خطیبانہ پیرایۂ بیان کو مقدّم رکھا ہی یہ اوس کے انوکھے خیالات کا سب سے پہلا مستانہ مضمون ہی،

اصلاً یہ ایک انعامی مضمون تھا جس کے سرِعنوان کا اعلان، فرانس کی ممتاز بزمِ علمی انجمن ڈیژان[۱] کی طرف سے ہوا تھا اور اہلِ قلم کو دعوتِ انعام دی گئی تھی، روسو نے اِس کے اندر

۱؎ Academy of Dijon

مقدمۂ مترجم

غمِ عشاق نہو، سادگی آموز بتان کس قدر خانۂ آئینہ ہی ویران مجھ سے

روسو کو "تعلیم" اور "سیاسیات" کے ساتھ وہی نسبت ہی جو کوپرنکس کو ہئیت سے اور کنیٹ کو الٰہیات سے ہی، اِس نے بھی، اِن دونون کی طرح، متعارف نقطۂ نظر کو یکسر اُلٹ دیا ہی اور آج دنیائے سیاست و تعلیم کا بیشتر حصہ جو کچھ دیکھتا ہی، روسو ہی کے زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہی،

دیباچہ کے حدود تفصیل کے متحمل نہین ہوسکتے، سرِ دست صفحاتِ ذیل کی وساطت سے روسو کا محض تعارف کرا دینا مقصود ہی، اگر ملک و قوم نے چاہا تو آیندہ اِس کے اصُول تعلیم و فلسفہ سیاستِ مدن کا ترجمہ بھی پیش کش ہوسکیگا کہ اصل روسو یہی ہی، یہ رسالہ جو اِس وقت ناظرین کے ہاتھ مین ہی کہنا چاہیے کہ اوس کی ایک قلم برداشتہ تحریر ہی جس مین منطقی ترتیب و استدلال پر خطیبانہ پیرایہ بیان کو مقدم رکھا ہی یہ اوس کے انوکھے خیالات کا سب سے پہلا مستانہ مضمون ہی،

اصلاً یہ ایک انعامی مضمون تھا جس کے سرِ عنوان کا اعلان، فرانس کی ممتاز بزمِ علمی انجمن ڈیژان[1] کی طرف سے ہوا تھا اور اہلِ قلم کو دعوتِ انعام دی گئی تھی، روسو نے اِس کے اندر

[1] Academy of Dijon

دل کھول کر علم وفضل کے پرخچے اُڑائے اور چونکہ مضمون انجمن کے معتقدات کا چبھتا ہوا رد تھا، اس لئے
روسو کو مطلق توقع نہ تھی کہ اسے انعام ملیگا، لیکن انجمن دیژان نے مضمون کو قدر کی نظر سے دیکھا اور
۱۷۵۰ء مین روسو کو انعام ملا، یہ سب سے پہلا خراج تحسین تھا جو روسو نے مشاہیر فرانس سے
وصول کیا، یہ رسالہ روسو کا نام منظر عام پر لے آیا اور اس کی شہرت کا سنگ بنیاد ثابت ہوا،
اس کے البیلے خیالات سے واقف ہونے کے لیئے تو ناظرین کو رسالہ کے صفحات کی جانب رجوع
کرنا چاہیئے، یہان صرف اس قدر کہنا کافی ہی کہ روسو کے دل مین عرصہ سے جو مواد پک رہا تھا وہ
راہ پاکر اس مضمون مین پھوٹ نکلا، تمدّن جدید کے اطوار جو تمامتر بناوٹ اور لگاوٹ پر مشتمل ہین
اور فطری سادگی اور سچائی سے خالی ہین، روسو کے نظر مین ۱۷۴۳ء سے کھٹک رہے تھے، جبکہ اس کا
تعلق وینس کے سفارت خانہ سے تھا، اور یہ پھوڑا نوک نشتر کا منتظر تھا، جو آخرکار انجمن دیژان کے
عنوان مضمون نے بہم پہونچا ہی دیا،

اس رسالہ کا شایع ہونا تھا کہ محفل علم وادب مین ہلچل مچ گئی اور فقہا، علما، ادبا، غرضکہ
ہر طبقہ سے اس کی تردید مین آوازین بلند ہونے لگین، حتّٰی کہ شاہ پولینڈ نے بھی گویا اپنے مرتبہ سے اُتر کر
روسو کی تردید مین رسالہ لکھا، لیکن اس تنقیدی لے دے نے روسو کے نام کو اور چمکا دیا! شاہ
پولینڈ کی تنقید نے روسو کا تعارف یورپ کے فرمانرواؤن سے کیا، پادریون کے فتوؤن نے اسے
اراکین کلیسیا سے روشناس کرایا، اہل ادب کی نکتہ چینیون نے، دنیائے ادب مین شہرت دی
اور اخبار نویسون کی چتھاڑ نے گھر گھر روسو کا نام پہنچا دیا،

لیکن یہ شیر بیشہ[1] حکمت اپنے دل مین خوش تھا کہ اوس کی شہرت اور اوس کے خیالات کی

[1] فرانس کے ادبی حلقون مین اس کو اکثر "شیر نر" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا،

اشاعت کا گویا غیب سے سامان ہو رہا تھا، اور اپنے عقاید کی تبلیغ تو وہ سودا تھا، جس کو ہزار عزتون کی قیمت پر خریدنے مین بھی اُسے کبھی پس و پیش نہ ہوا،

افشائے رازِ عشق مین گو ذلتین ہین لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا

مادر فطرت کا سیدھا سادھا بچہ "فطری انسان" جس کو تمدن نے زبردستی گود لیکر "مصنوعی انسان" بنا دیا ہی، مختلف اسالیب مین رُوسو کا موضوع قلم رہا ہی، یہانتک کہ اوس کے "فلسفۂ فطرتیت" کے زد سے کوئی شعبۂ علم محفوظ نہ رہا، کیا تعلیم، کیا سیاسیات، کیا اقتصادیات سب پر رفتہ رفتہ "فطریت" چھا گئی،

اجارہ عمرانیہ[1] جو مذہب سیاسیات مین صحیفۂ آسمانی کا مرتبہ رکھتا ہی وہ معرکۃ الآرا رسالہ ہے جس مین نظریۂ فطرتیت کا رنگ پختہ ہو کر اور نکھر گیا تھا، اوس کی قوت اثر اور حسن قبول کا اندازہ اِس امر سے ہو سکتا ہی کہ انقلاب فرانس اِسی کا ایک کرشمہ تھا،

اور جس طرح اجارہ عمرانیہ نے حکومت کے واسطے بس ایک ٹھیکہ دار کی حیثیت مقرر کرکے "شہنشاہیت اور "ظل الٰہیت" کے بتون کو چور چور کر دیا تھا، اِسی طرح دنیائے تعلیم کے درمیان، رُوسو کا دوسرا نوشتہ ایمیل[2] بھونچال بنکر آیا اور قدیم درسگاہون کی جڑین ہلا دین، ایمیل ناول کے پیرایہ مین رُوسو کے فطری اُصول تعلیم کا دلکش مرقع ہی اور سچ یہ ہی کہ وہ زبان جس کا دامن اِن جواہر سے خالی ہو بڑی بدنصیب ہی، آج یورپ کی کوئی زندہ زبان نہین ہی جس مین اجارہ عمرانیہ اور ایمیل کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو، اور ان کی مقبولیت کا بیسوین صدی عیسوی مین بھی وہی عالم ہے

[1] Social Contract. [2] ہیرو کا نام ہے Emile

جو اٹھارھوین صدی عیسوی مین تھا، صرف انگلستان کے متعدد دارالاشاعت مختلف سلسلون مین اِس کے نت نئے اڈیشن شائع کر رہے ہین، سچ ہی،

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بہ عشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

روسو کے واقعاتِ زندگی تو ایک مستقل تصنیف کے طالب ہین، اِس مقدمہ کے تنگنائے ظرف مین کیونکر سما سکتے ہین، لیکن ہان سمندر کوزہ مین بھرا جا سکتا ہی تو کہہ سکتا ہون کہ ۱۷۱۲ء مین فرانس کو اِسکی ولادت کا شرف حاصل ہوا اور دیگر اعلیٰ قابلیتون کی طرح اِس نے بھی افلاس کے گود مین پرورش پائی، یعنی جینوا کے ایک گھڑی ساز کے ہان اِسکی روح نے جنم لیا، لیکن آگے چل کر تاریخ شاہد ہی کہ یورپ پر اِسکے قلم کی وہ دھاک بیٹھی کہ تخت و تاج تک اوس کے سامنے لرزان تھے، چنانچہ حکومت وقت کے ہاتھون وہ بہت ستایا گیا اور اپنے مذہبی و سیاسی عقاید کے کارن فرانس سے جلا وطن ہونا پڑا، تعصّب و افترا پردازی کی بن آئی، دشمن کو مغلوب پا کر طرح طرح کے افسانے اپنے دل سے گڑھ کر اوس کی عصمت پر داغ لگایا، میڈم ڈی ویرن وغیرہ علم دوست رئیس زادیون کے نظر لطف کو، حریف دوسرے پیرایہ مین لے اُڑے، اور اُسے خوب مطعون کیا عرفی نے کسی ایسے ہی موقع پر اپنا دِل سمجھایا تھا ؂

ستم تہمتِ جہال نہ بر باد تو رفت　　یوسف این را متحمل شدہ مریم بردا شت

اگرچہ روسو نے اپنی زندگی کا سارا کچا چٹھا اپنے "اعترافات"[۱] مین خود کھول دیا ہی اور اپنی سیرت و کردار کی اخلاقی نکتہ چینی مین دشمن کی صاف گوئی سے زیادہ کام لیا ہے، اور یہ

۱؎ Confessions

اخلاقی جرأت تسلیم کرنا چاہیئے کہ بجائے خود ایک فضیلت اخلاق ہی، لیکن اس کے دشمنون نے اس کا نامۂ اعمال جس قدر سیاہ دکھانا چاہا ہی، اوس مین یقیناً مبالغہ کا شائبہ بیشتر ہی،

دیگر علمی مشاغل کے علاوہ، فرانس کی مشہور عالم دائرۃ المعارف کی ترتیب و تالیف کے ساتھ روسو کا تعلق، نیز قابل ذکر ہی،

جلاوطنی کی سزا کاٹنے کے بعد فرانس واپس آیا، لیکن اب حکومت کی سخت نگرانی مین رہتا تھا، اظہار خیالات کو قدم قدم پر پابندی کا سامنا تھا، بات مُنھ سے نکالنا دشوار تھی، لیکن حریفون کے دل مین، فرانس کے اندر اِس کی خاموش موجودگی بھی کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی!

قفس مین ہون گر اچھا بھی نجانین میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہی نواسنجان گلشن کو

اکتا کر انگلستان چلا گیا، جہان کچھ عرصہ ہیوم کا مہمان رہا اور پھر فرانس کی مٹی نے کھینچ بُلایا اور چند روز اور کشاکش دہر جھیلنے کے بعد ۱۷۷۸ء مین آپ کو حکومت کی طرف سے، اور حکومت کو اپنی طرف سے امین کر دیا،

(۲)

روسو، اگر آج زندہ ہوتا تو اُس کو اپنی خوش نصیبی پر آپ رشک آتا کہ اگر اس کا اصل رسالہ فرانس کی ایک ممتاز انجمن کی بارگاہِ علم مین مقبول ہوا تھا تو اِس کا ترجمہ ہندوستان کی ممتاز بزم فضل یعنی دار المصنفین کی جانب سے شائع ہو رہا ہے،

صید از حرم کشند خم جعد بلند تو

انصاف کا خون ہوگا، اگر اس موقع پر روسو کا مترجم دار المصنفین کی اِس علمی رواداری

کے اعتراف مین، ادائے شکر سے قاصر رہے، اگر دل کا راز بتانا کچھ بیجا نہ ہو تو کہا جا سکتا ہو کہ جذبات کا تقاضا تو یہانتک تھا کہ یہ ترجمہ بانی انجمن ہذا کے نام نامی کے ساتھ معنون کر دیا جاتا لیکن مشکل یہ تھی کہ "علم" کے پرخچون" کا ایک علامہ کی ذات کے ساتھ انتساب، عقیدت مندی کی نظر مین، گویا علم کے دیوتا سے گستاخانہ ٹھٹھول کا، کم ازکم، پہلو رکھتا تھا، پس اس احتیاط نے ضبط جذبات فرض کر دیا ورنہ یہ ترجمہ علامہ شبلی نعمانی کے برگزیدہ نام کے ساتھ منتسب کر دیا جاتا،

چند کلمے مجھے ترجمہ کے متعلق مختصراً عرض کر دینا ہین اور بس، اس لیئے کہ مین خود، ر، دسواور ناظرین کے درمیان، زیادہ دیر حائل رہنا پسند نہین کرتا،

یون تو ترجمہ نویسی کا گویا یہ ایک فیشن ہو کہ مترجم اپنے مقدمہ کے کچھ حصّہ مین تو زیر ترجمہ کتاب کی مخصوص دشواریون کا رونا روتا ہی اور باقی حصّہ، مذہب ترجمہ سے متعلق اپنے خاص الخاص عقاید کی تلقین و تبلیغ مین صرف کرتا ہی، کرنا تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہی، لیکن نہ اس قدر کہ بار خاطر ہو جاؤن، مجھے صرف دو باتین کہنا ہین اور بس یہی اس مسئلہ مین میرے رسوخ اعتقاد کی بنیاد ہین،

(۱) ترجمہ کا معیار، مترجم خاکسار کے نزدیک یہ ہو کہ جو کیفیتؔ اصل کے پڑھنے سے ذہن پر طاری ہوتی بعینہ وہی کیفیت، ترجمہ کے پڑھنے سے طاری ہو سکے، اس مقصود کے حصول مین مترجم کو پوری آزادی ہو کہ وہ اپنی زبان کی ساخت، صرف و نحو، محاورات کی مناسبت سے، زیر ترجمہ عبارت کے الفاظ کے در و بست اور ترتیب مین جو چاہے تصرف کرے، یہ تو آزادی کے حدود ہین لیکن اس آزادی کے ساتھ پابندی اِس امر کی لازم ہو کہ مصنّف کے خیالات کے ساتھ اپنے خیالات آمیز نہ کیئے جائین یعنی مصنّف کا مفہوم ٹھیک ٹھیک ادا کرنے مین زبان مین جو چاہے تصرّف کر لیا جائے

لیکن اِس کے خیالات مین تصرف نہ کیا جائے اِس لئے کہ دراصل نحل ترجمہ یہی "خیال" ہی، نہ کہ "زبان"
اِس نظریہ کی عملی تفریع یہ ہوگی کہ ترجمہ کے اغراض کے لحاظ سے، سمو پے جملہ کو خیال کی
"اکائی" مان لینا چاہیے، نہ کہ جداگانہ الفاظ کو، بلکہ فقرات تک کو نہین،

یہ ترجمہ کا آئیڈیل[1] ہی، جو مترجم ہذا کے پیش نظر رہا ہی، لیکن براہِ کرم، اِس کے یہ معنی ہرگز نہ
لیئے جائین کہ مترجم کو اِس سے کماحقہٗ عہدہ برآئی کا دعویٰ ہی، یہ قول ہربرٹ اسپنسر کے آئیڈیل
کی تعریف ہی یہ ہی کہ وہ ایک ایسا اعلیٰ ذہنی نمونہ ہی جو اگرچہ شمع ہدایت کا کام دیتا ہے، لیکن
خارج مین اوس کا وجود نہین پایا جاتا،

(۲) دوسری بات قابل گذارش یہ ہی اور یہ ترجمہ کی لائن سے ہٹی ہوئی، زبان کے متعلق
ایک عام بات ہی، کہ دورِ جدید کے بعض اہل قلم ٹھیٹ ہندی بَرن کے الفاظ کا استعمال اِصطلاحی
مضامین کی پایۂ تمکنت سے گرا ہوا سمجھتے ہین، جس کا لازمی وبال، اُردو کی گردن پر یہ آکر پڑا
کہ جس طرح آج کل کے انگریزی خوان تین حصہ انگریزی اور ایک حصہ اُردو ملا کر بولتے ہین،
دوسرے فریق نے اِس کے جواب مین عربی کی اِس قدر بھرمار کی کہ اُردو کو عربی بنا دیا، اگر
ایک فریق کہتا ہے "رینی سیزن[2] نے سارے کام اسٹاپ[3] کر دیئے"، تو دوسرا فریق اسکے جواب مین
بولتا ہی کہ "تقاطر امطار علی الانفصال مزاحم نقل و حرکت ہی"!!

میرا مطلب یہ ہرگز نہین کہ اُردو مین عربی کے نئے الفاظ اِستعمال ہونا بند ہو جائین،
ضرور اِستعمال کیئے جائین، بشرطیکہ کھپ سکین، اُردو مین ہر زبان کے الفاظ جذب کرنے کی

[1] اعلیٰ تخیل، نصب العین یا مطمح نظر، [2] برسات، [3] بند کر دینا،

صلاحیت ہی، مقصود اصلی یہ ہی کہ ہندی نثر ادالفاظ کے ساتھ "ترک موالات" کی ادبی پالیسی مین ترمیم کی جائے اور ادب کے دائرہ مین بھی "ہندو مسلم یونٹی"[1] کا پرچار ہو، چنانچہ اُردو لٹریچر کے لیڈرون کے آیندہ پروگرام مین ایک مد "اچھوت ذات" کے لفظون کو فروغ دینا، بھی ہونا چاہیئے،

شاید ردسو کے عین مذاق خیال کی بات، یہان، زبان قلم سے نکل گئی،

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین
اپنے سے کرنہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

---

[1] اتحاد،

دیباچہ

صفحات ذیل، ناظرین کو ایک دِل آویز اخلاقی مسئلہ سے روشناس کرائین گے، فلسفیانہ موشگافیان جو لٹریچر کے ہر شعبہ کے اندر سرایت کرتی جاتی ہین اور جن سے ہمارا نصاب تعلیم تک نہین بچ سکا، میرے موضوع بحث کے خط وخال نہین ہین، میرا مقصود اون سادہ وبسیط حقائق کی تحقیق ہی جو انسانی راحت کی جڑ ہین،

مین جانتا ہون کہ میرا دعویٰ ایک ایسا گناہ ہی جو بہ آسانی عفو نہین کیا جا سکتا، اِس لئے اون چیزون کے خلاف لب کشائی کرنا، جن کو دنیا آج قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اپنے تئین لعن وطعن کا ہدف بنانا ہی، اور بالفرض چند حق شناسون کی تحسین اگر نصیب بھی ہوئی تو تو اِس سے عام پھٹکار کی تلافی نہین ہوسکتی لیکن مین انشاءاللہ اپنے مقام پر ثابت قدم رہونگا، مجھے عالم وجاہل، کسی کے خوشنودی مزاج کی پرواہ نہین ہی، ہمیشہ انسان اپنے گرد وپیش کے متداول ورائج عقائد کا اسیر ہوتا ہی اور آجکل کے فلسفی وآزاد خیال اگر انجمن (احتساب) کے زمانہ مین ہوتے تو وہ بھی مذہبی جوش وتعصب مین کسی سے پیچھے نہ ہوتے، پس وہ اہل قلم جو اپنے عہد کے بعد بھی جینے کا آرزومند ہی، اوس کو چاہیئے کہ ہم عصرون کے واسطے لکھنے کا خیال چھوڑ دے، ایک بات اور کہتا ہون اور بس، چونکہ مجھے اِس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ مضمون شرف

قبولیت و انعام حاصل کرے گا، لہذا مین نے اِس کو بھیجدینے کے بعد بہت کچھ گھٹا، بڑہا دیا تھا
اور وہ گویا ایک بالکل نئی تصنیف بن گیا تھا، لیکن بحالات موجودہ میرا فرض ہی کہ مین اِسکو
اِسی مشکل مین شائع کرون، جس مشکل مین اوس نے انعام حاصل کیا تھا، چنانچہ بجنسہ پیش نظر ہی،
سوائے چند نوٹون[۱] کے اضافہ اور دو جگہ تبدیلیون کے حذف کے جو بیک نظر معلوم ہو جاتی ہین
اور جن کو غالبًا، اکاڈیمی پسندیدہ نظر سے نہ دیکھتی ہوگی۔ ..... تعظیم، امتنان اور انصاف جن کی
جماعت ہذا مستحق ہی، میرے خیال مین اِس امر کے مقتضی تھے کہ مین اِس بات کو یہان ظاہر کردون

[۱] اور مترجم نے مفید مطلب نوٹون کو متنِ عبارت مین چسپان کر دیا ہے،

علوم وفنون کے اخلاقی اثرات

پر

ایک نظر

میرے سامنے سوال یہ ہی کہ علوم وفنون کی ترویج وتجدید کا اثر اخلاق پر کیا پڑا، آیا ان کے ذریعہ سے ہمارے اخلاق مین جِلا اور صفائی پیدا ہوگئی، یا اُلٹی کثافت اور خرابی آگئی؟ مین کس پہلو کو اختیار کرون؟ صاحبو! مجھے وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو ایک ایماندار آدمی کو زیبا ہی، جس کو اپنے جہل کا احساس ہی، اور جو باوجود جہل ونادانی، آپ کو کسی سے ہیٹا نہین سمجھتا ہے،

مجھ کو، اس عدالت کے سامنے جس کے ہاتھ مین میری قسمت کا فیصلہ ہے، اِس موضوع پر کما حقہ بحث ونظر کے مشکلات کا اندازہ ہی، مین علمائے یورپ کی جلیل الشان جماعت کی تحقیر کس طرح کرون؟ اور علم وفضل کی اوس حقارت کو جو مین اپنے دل مین رکھتا ہون، اوس عزت کے ساتھ جو حقیقی علما کے واسطے واجب ہی، کس طرح نباہون؟

نکتہ چین ہے، غمِ دل اوسکو سنائے نہ بنے کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

مگر مجھ کو کس بات سے خوفزدہ ہونا چاہیے؟ آیا مجھ کو اِس جماعت کی نکتہ سنجی

اور ترزرف نگاہی سے ڈرنا چاہیئے۔ جس کے سامنے مین اپنے خیالات کی وکالت کے لیئے کھڑا ہوا ہون؟ مین تسلیم کرتا ہون کہ یہ خوف کا مقام ضرور ہی لیکن دراصل مین اپنی عبارت کی خامیون کی وجہ سے خائف ہون نہ کہ اپنے خاص خیالات کی وجہ سے، عادل سلاطین نے مشکوک مقدمات مین، اپنی مرضی کے خلاف بھی فیصلہ دیدیئے ہیں اور اِس مین شک نہین کہ ایک سچے دعوی کے واسطے اِس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہی کہ وہ منصف اور روشن خیال عدالت کے روبرو پیش ہو، جس کو اپنی ذات کے خلاف حکم دینے مین بھی تامل نہین ہو سکتا ہی،

اِس خیال نے میری ڈھارس باندھی اور اِس خیال مین ایک خیال اور آکر مل گیا جس نے مجھے بالکل آمادہ کر دیا اور وہ یہ خیال تھا کہ چونکہ مین اپنے مقدور بھر حق کی حمایت کے واسطے کھڑا ہوا ہون، لہذا ظاہری کامیابی خواہ کچھ ہو، مین ایک اِنعام سے کِسی حال محروم نہین رہ سکتا اور یہ انعام وہ ہی جو بہر حال وصورت اپنے ضمیر سے مجھے ملے گا،

حصۂ اوّل

یہ کیسا پرعظمت و نظر فریب منظر ہی کہ اِنسان، اپنے آپ کو، اپنی کوشش کے ہاتھون گو "یا نیست" کی پستی سے، "ہست" کی بلندی پر لیجاتا ہی، اور اپنی عقل کی روشنی سے، ان غلیظ بادلون پر غالب آتا ہی، جن مین فطرت نے اُسے لپیٹ دیا تھا، وہ بسا اوقات، اِنسانیت کے انتہائی نقطہ سے بھی اونچا نکل جاتا ہی اور اپنے خیالات کے پرون پر اُڑ کر ملأ اعلیٰ تک پہونچتا ہے آفتاب کی طرح اپنے طویل قدمون سے وسعت آباد عالم کی سیر کرتا ہی اور سب سے زیادہ حیرت و استعجاب کا مقام وہ ہی جبکہ وہ اپنے اندر واپس آکر "اِنسان" "انسانیت" "فرائض" اور "مآل حیات" کا مشاہدہ کرتا ہی، ان تمام معجزات کا ظہور اگلی قرنون مین بارہا ہوچکا ہی،

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از فرشتہ سرشتہ وز حیوان
گر کند میل این شود کم ازین — ور کند قصد آن شود بہ ازان

عہد قدیم مین، یورپ پر وحشت چھائی ہوئی تھی اور دنیا کے اِس ٹکڑے کے باشندہ جو آج اِس قدر روشن خیالی کا دم بھرتے ہین، چند صدیان اُدھر، ایک ایسی حالت مین ڈوبے ہوئے تھے جو جہالت سے بدرجہا بدتر تھی۔ علمی بکواس جو جہل سے کہین زیادہ نفرت انگیز ہے، علم کی سلطنت کو دبا بیٹھی تھی اور اوس کو معزول کرکے، علم کو اوس کا جائز حق دلانا، قریبًا محال ہوگیا تھا،

حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کرلی تھی کہ ایک ایسے مکمل انقلاب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو انسان کی گم شدہ معمولی سمجھ کو واپس دلا دے، چنانچہ سیلاب آیا اور اوس طرف سے آیا، جدھر سے آنے کا وہم وگمان بھی نہ تھا، نادان مسلمان نے جو علم وفضل کے حق مین ایک دائمی تازیانہ ہی، ہمارے اندر ایک نئی روح پھونک دی، قسطنطین کے سر سے تاج کا گرنا تھا کہ قدیم یونان کی یادگارین اٹلی مین آگئین بعد ازان اس گرانقدر مال غنیمت نے فرانس کو مالا مال کردیا، "ادب" کے پیچھے پیچھے "علوم" کا قافلہ آیا اور تحقیق و اجتہاد نے انشاپردازی سے ہاتھ ملایا، یہ ترتیب عجیب ضرور معلوم ہوتی ہی، لیکن شاید یہی نہایت قدرتی ترتیب ہی، دنیا نے شعر وسخن کی دیوی سے رسم وراہ کھولی، بنی نوع انسان کے دل مین ایک دوسرے کو خوش کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور ملنساری کا بیج بویا گیا،

روح اور جسم کے ضروریات جداگانہ ہین، جسمانی ضروریات سوسائٹی کی بنیاد ہین، اور روحانی حاجات اِس کا زیور ہین، جب تک حکومت وقانون، رفاہ عام اور امن عامہ کی ضامن رہتی ہین، اِس وقت تک علوم وفنون اور ادبیات کا جوڑ عیان نہین ہوتا ہے لیکن اِس کے معنی یہ نہین کہ ان کی قوت اور اثر مفقود ہوتا ہے، تعلیم، گرانبار طوق وزنجیر کو پھولون کے ہار ڈال کر چھپائے رکھتی ہی، آزادی کے نظری احساس کا جو انسان کا پیدایشی حق ہی، اس کے سینہ ہی مین گلا گھونٹ کر خاتمہ کردیتی ہی اور غلامی کا گرویدہ بنا دیتی ہی، مختصر یہ کہ قوم کو اس بلند درجہ پر پہنچا دیتی ہی جس کو عرف عام مین تمدن اور تہذیب کہتے ہین،

ضرورت نے شاہی تخت بچھائے، علوم وفنون نے ان کو پائدار کیا، سلاطین ہمیشہ کمال اور صاحب کمال کی قدر وپرداخت اور تفریح وطرب ولہولعب کی ہمت افزائی کرتے ہین اور اِس مین اون کی دو بڑی مصلحتین مضمر ہوتی ہین، اول تو یہ کہ اِن تمام مشاغل کے اثر سے نظر کی وسعت سمٹ کر ایک تنگ دائرہ مین محصور ہو جاتی ہی، دوسرے یہ کہ غیر فطری ومصنوعی ضروریات کے جال مین قوم پھنس کر پرانی زنجیرون پر گویا صدہا نئی زنجیرون کا اضافہ کرلیتی ہے سکندر نے مفتوحہ قوم سے ماہی گیری کا پیشہ چھڑوا کر، متمدن اقوام کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا تھا،

امریکہ کے وحشی جو برہنہ پھرتے اور شکار پر بسر اوقات کرتے ہین، آج تک محکومیت کی تلخی سے ناآشنا ہین، اصل یہ ہی کہ اوس شخص کے کاندھے پر کوئی جوا نہین رکھ سکتا، جس کو کسی شے کی حاجت ہی نہ ہو، معاشرت جدیدہ کے دلفریب رخ کے خط وخال، مذاق سلیم کی نزاکت ونفاست، خندہ پیشانی، گرمی تپاک، حسن وتواضع، بالفاظ مختصر یون کہو کہ مصنوعی محاسن اخلاق کی نمایش اور اصلی مکارم اخلاق کا نقدان ہی،

دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا ۔۔۔ ہین ہون اور افسردگی کی آرزو، غالبؔ، کہ دل

نئی روشنی کے دلدادہ، اِن مزخرفات کو قیمتی جواہر تصور کرتے ہین اور خوش وقت وخوشباش غلامون کی جانب سے گرانقدر عطیہ سمجھ کر سر چڑھاتے ہین،

"یہ کمالات" جس قدر، بناوٹ سے خالی ہوتے ہین اُسی قدر پُرکشش ہوتے ہین، ایتھنز اور روما اپنی عظمت وشان کے پرفخر عہد مین، انھی کمالات مین ممتاز تھے، زمانۂ حال کے آثار

دیکھتے ہوئے ظن غالب ہوتا ہی کہ وہ اِس معاملہ مین تمام گذشتہ عہدون پر بازی لیجائیگا فلسفیانہ انداز بیان نہ کہ علمیت کا بھدا اظہار، قدرتی دلنشین کلام (جو طیوطانی بھونڈے پن سے پاک اور اطالیانہ اشارات وکنایات سے معرا ہی) یہ وہ خوبیان ہین جو وسعت نظر اور تجربات عالم سے پیدا ہوتی ہین، ہم سے سابقہ اور معاملہ رکھنے والون کے واسطے کیسی مسرت کا مقام ہوتا، اگر ہمارا ظاہر ہماری باطن کا سچا آئینہ ہوتا، اگر تہذیب نیکی بھی ہوتی، اگر ہمارا قول ہمارا فعل بھی ہوتا، اور اگر ادعار تفلسف، حقیقی فلسفہ بھی ہوتا، لیکن اتنے اوصاف کا ساتھ ساتھ پایا جانا، فی الجملہ دشوار ہی، علاوہ برین "نیکی" کی سواری کے ساتھ، ماہی مراتب اور نمایشی جلوس نہین ہوتا،

لباس کی بھڑک دولت مندی کا اعلان کرسکتی ہی اور شستگی کلام، مذاق سلیم کا، لیکن تندرستی اور مردانگی کی شناخت، دوسری علامتون سے کی جاتی ہی، طاقت وتوانائی، مصاحبین سلطنت کے زربفتی خلعت کے نیچے نہین بلکہ مزدور کے اوس موٹے کرتے کے اندر چھپی ہوئی ملیگی جس کا موٹا کھدر اوس کے گھر بنا گیا ہی؛

نیکی روحانی توانائی کا نام ہی، اور ہر طرح کی آرایش وزیبایش اِس کی اصلیت سے دور ہی، ایماندار ایک پہلوان ہی جو کشتی لڑتے وقت برہنگی کو پسند کرتا ہی اور قیمتی لباس کو، جس کا مقصد کسی جسمانی عیب کو چھپانا ہوتا ہی، حقارت کی نظر سے دیکھتا ہی کہ وہ آزادانہ داؤپیچ کرنے مین ہارج ہوتا ہی

قبل اِس کے کہ تصنع نے ہمارے اطوار کو اپنے سانچے مین ڈھالا، اور ہمارے جذبات کو بناوٹی بولی سکھائی، ہمارے اخلاق اگرچہ ناہموار تھے، لیکن فطری اور سچے تھے، اور ہمارے

طرزِ عمل سے ہمارے طبائع کا پتہ بیک نظر چل جاتا تھا، انسانی فطرت اوس وقت مین بھی کچھ خوب نہ تھی جیسا کہ اب ہی، لیکن آسانی یہ تھی کہ ہر شخص ایک دوسرے کو آئینہ کی طرح دیکھ سکتا تھا اور غلط فہمی و فریب کا کوئی اندیشہ نہ تھا اور اِس وجہ سے اِنسان بہت سی برائیون سے از خود بچ جاتا تھا، فی الحقیقت یہ ایک بہت بڑی برکت تھی، جس کے فوائد کو ہم آج محسوس نہین کر سکتے،

فی زمانہ علمی موشگافیون اور مذاق کی لطافت نے مِلکہ "تفریح" کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے، اور اگرچہ بظاہر ہمارے آداب و اطوار اُصول کے پابند نظر آتے ہین، لیکن نمایشی اُصول پرستی کا مایہ خمیر سرتا سر مکر و فریب ہی، ہر دماغ ایک ہی سانچہ مین ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہی، تہذیب یہ چاہتی ہی سلیقہ یہ کہتا ہی غرضکہ ہر رسم پابند قاعدہ اور ہر نشست پابند قانون ہی، جس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہین ہو سکتی، برخلاف اِس کے احکامِ فطری کی ایک ایک کرکے خلاف ورزی کی جاتی ہی،

ہم کبھی اپنی اصلی حالت کو ظاہر کرنے کی جرأت نہین کرتے بلکہ ہمیشہ اپنے تئین رسمی بندشون مین جکڑا رکھتے ہین اِسی طرح اِنسان کا وہ گلہ جس کو سوسائٹی کہتے ہین مقررہ اوقات پر مقررہ کام انجام دینے کے بعد، آپ کو فرض سے سبکدوش تصور کرتا ہی، یکسان مواقع پر ہر فرد سے یکسان اعمال سرزد ہوتے ہین، تا وقتیکہ کوئی قوی محرک مانع عمل نہ ہو، چنانچہ ہمین کچھ پتہ نہین چلتا کہ آخر ہمارا سابقہ کس سے ہی، حتی کہ احباب کو بھی اوس وقت تک نہین پہچان سکتے جب تک کہ بُرا وقت نہ آکر پڑے، یعنی بعد از وقت صحیح شناخت ہوتی ہی، اسلیئے کہ ایسا موقع پیش آنے سے قبل ہم کو معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ کون ہمارا دوست ہی اور کون دشمن، بعد کو پتہ چلا تو کیا ہوا،

شک و تذبذب کی یہ حالت، مکر و دغا کا ایک سِلسِلہ قایم کر دیتی ہی اور سچی دوستی حقیقی

عزت، کامل بھروسا خیر باد کہہ جاتے ہین، حسد، وسواس، اندیشہ، بے بہری، خاموشی، نفرت اور دھوکا، خندہ پیشانی کے پر فریب بھیس مین اپنی اصلیت چھپا کر اور دکھاوے کی صاف گوئی وخوش خلقی کا روپ بھر کر، ہمارے سامنے آتے ہین، نمایشی صاف دلی اور مصنوعی سادگی کے ہاتھ مین ہمارے زمانہ کی باگ ہی، بے محل قسم کھانا گناہ سمجھا جاتا ہی، لیکن بہت سی کفر گوئیان ہین جو ہمارے مذہب کے کانون کو ناگوار نہین ہوتین، ہم خود تو از راہ انکسار اپنی تعریف اپنے منھ سے کرنا عیب سمجھتے ہین، لیکن دوسرون کا مضحکہ اڑانے مین کچھ مضایقہ نہین سمجھتے! دشمن کو بھی اوس کے منھ پر برا کہنا ناز یبا سمجھا جاتا ہی، لیکن پیٹھ پیچھے برا کہنے مین گویا کوئی ہرج نہین ہی! دوسری قومون سے تعصب ہمارے دل سے اٹھتا جاتا ہی، لیکن اوس کے ساتھ حب الوطنی کا جذبہ بھی زائل ہوتا جاتا ہی، جہالت ذلیل نگاہ سے دیکھی جاتی ہی، لیکن اس کی جگہ تشکیک کو اختیار کر لیا گیا ہی،

اس مین شک نہین کہ بعض برائیان بری نظر سے دیکھی جاتی ہین اور بعض کی جانب نفرت و اکراہ کا اظہار کیا جاتا ہی لیکن ساتھ ہی بہت سے معائب ہین جن کو محاسن اخلاق کا مرتبہ دیا جاتا ہے، اور جن کو اختیار کرنا یا کم از کم ظاہر داری کے طور پر برتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہی، عصر جدید کے اون "نیک بندون" کی مدح سے جس کا جی چاہے رطب اللسان ہو، لیکن مجھے تو ان کا زہد ایک مہذب رندی اور ان کا تقوی ایک شایستہ مستی نظر آتا ہی، جو میرے خیال مین اوسی قدر ذلیل ہی جس قدر اون کی مصنوعی سادگی، مان ٹین[1] کا قول ہی کہ مین بحث و گفتگو پسند کرتا ہون لیکن گنے چنے اشخاص

---

[1] فرانس کا ایک فلسفی وانشا پرداز ۱۵۳۳ء

کے ساتھ، اس لیئے کہ اُمرا کی تفریح یا اپنی قابلیت کے اظہار کے قصد سے کلام کرنا کسی غیور و متین آدمی کا کام نہین ہی،

الغرض ہمارے اخلاق کی یہ خوبیان ہین اور ہمارے محاسن کی یہ اصلیت، علوم و فنون کا دعویٰ ہی کہ اس تمام کارخیر کا سرانجام، اس کے دم سے وابستہ ہے، مین نہایت خوشی کے ساتھ اس امر کو تسلیم کیئے لیتا ہون، لیکن ایک بات پوچھتا ہون وہ یہ کہ آیا کسی غیر ملک کا باشندہ یورپ آکر اس کے اخلاق کی نسبت صحیح رائے قایم کرسکتا ہی یا نہین، علوم کی اشاعت، فنون کا چرچا، عام ضیافتون کا سلیقہ، ملاقات کی گرمجوشی، کلام کی نرمی، تواضع، لطف و کرم کی بھرمار اور ہر طبقہ کے افراد کا صبح سے لیکر شام تک ایک دوسرے کو ممنون کرنے کی فکر مین لگا رہنا، ان تمام مناظر کو دیکھ کر کیا کوئی ہمارے اخلاق کی اصلیت کو پہونچ سکتا ہی؟

جہان نتیجہ کا وجود نہ ہو، وہان "سبب" کی تلاش عبث ہی، لیکن یہان نتیجہ موجود اور بد اعمالی اظہر من الشمس ہی، جس قدر علم و فن مین ترقی ہوئی، اوسی قدر اخلاق بگڑتے اور گندے ہوتے گئے، کیا یہ بدقسمتی موجودہ زمانہ کے واسطے مخصوص ہی؟ نہین، حضرات یہ تمام سیئات جو بے سود عالمانہ اکتشاف و تحقیق کی سرگرمیون سے پیدا ہوتے ہین، اس عالم ارضی کے ہم عمر ہین، سمندر کا مد و جزر اسقدر انضباط اور باقاعدگی کے ساتھ ماہتاب کا تابع نہین جس قدر انسانی اخلاق، علوم و فنون کے نتیجہ مین بے بس ہین، جب جب علم و ادب کی روشنی انسانی اُفق پر نمودار ہوئی ہی، نیکی پردۂ نہ کر گئی ہی اور یہ تماشہ بلا استثنا ہر ملک اور ہر زمانہ مین ہوتا رہا ہی،

مثال کے لیئے مصر کو لو جو تہذیب و تمدن کا سب سے پہلا مدرسہ ہی اور اپنے روشن آسمان

اور زرخیز زمین کے واسطے مشہور عالم ہی، یہ وہ مقام ہی جہان سے سیساطرسؔ[1] دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا فلسفہ وحکمت اور فنون لطیفہ نے مصر کی گود مین پرورش پائی، بالآخر کمبائسیزؔ[2] نے اس کو زیرنگین کیا اور پھر ایک مدت تک، یونانیون، رومیون، عربون اور ترکون کا جولانگاہ بنا رہا،

اس کے بعد یونان کی نظیر لو جو ایک زمانہ مین اِن بہادرون کی بستی تھی جنھون نے دوبار ایشیا، کو مغلوب کیا، علوم وفنون جو کہنا چاہیے ابھی ایام طفولیت مین تھے، اِس قابل نہین ہوئے تھے کہ کسی طرح کا گزند پہونچا سکتے، لیکن جون جون اِن مین بالیدگی ہوتی گئی، اُسی نسبت سے عادات وخصائل خراب ہوتے گئے یہانتک کہ مقدونیہ کا جوا اِس کی گردن پر رکھا گیا اور اوس وقت سے لیکر، یونان، جو برابر علم وفضل، عیش پرستی وتن آسانی، محکومی وغلامی مین مبتلا رہا، متعدد انقلابات کا تماشہ گاہ رہا، لیکن یہ تماشہ ایک آقا کے بجائے دوسرے آقا کا تبدیل ہوجانا تھا، ڈیماستھینزؔ[3] کی خطابت اوس جسم سرد کے اندر روح وحیات پھونکنے سے قاصر رہی جس کا خون عیاشی وعلوم نے بالکل چوس لیا تھا،

اسی طرح رومہ جس کی بنیاد ایک چرواہے نے ڈالی تھی اور جس کی ساری شہرت و عظمت، کسانون کے دم سے تھی، اَنٹیس اور ٹرنسؔ[4] کے زمانہ سے اِس مین گھن لگنا شروع ہوگیا، لیکن آوڈ، کٹولس، اور مارشل اور اون کے مثل دیگر فحش نویسون کا جن کا نام سُنکر حیا کا چہرہ شرم سے تمتما اٹھتا ہی، منظر عام پر آتا تھا کہ رومۃ الکبریٰ جو کسی وقت مقدس نیکی کا حرم تھی بدی کا تماشہ گاہ بن گئی، اور دیگر اقوام کی نظر مین باعث نفرت اور غیر متمدن اقوام کی

[1] قدیم مصر کا فرضی فرمانروا، [2] ایران قدیم کا ایک بادشاہ ۵۲۹ ق م، [3] یونان کا خطیب اعظم ۳۸۴-۳۲۲ ق م [4] اطالوی شاعر وفات ۲۳۹-۱۶۹ ق م،

نظر مین ایک مضحکہ خیز مقام، بن گئی، چنانچہ اِس ملک کے گردن مین طوق غلامی آکر پڑا، جس نے ہمیشہ دوسرون کو اپنے حلقۂ غلامی مین داخل کیا تھا، اِس کے زوال کا دن وہ شام تھی جبکہ اوس نے اپنے شہریون مین سے ایک کو "مفتی مذاق سلیم" کا خطاب عطا کیا تھا،

اب مین مشرقی سلطنت کے اوس پایۂ تخت کی نسبت کیا کہون جو اپنی مقامی شان و شوکت کے اعتبار سے دنیا کا دار الحکومت کہلانے کا مستحق ہی، جو اون علوم کا ماوا و ملجا بنا، جن کو یورپ کی وحشت و جہالت، نہین بلکہ اوس کی فراست و دور اندیشی نے شہر بدر کر دیا تھا، فاحش بدکاریان، حیا سوز بد معاشیان، سنگین جرایم، سازشین، قتل اور خونریزیان، قسطنطنیہ کا تار و پود بن گئی تھین، یہ حال تھا اوس شفاف سرچشمہ کا جس مین سے علم و فضل کے سیلاب اُبلے ہین اور جس پر نشاۃ جدیدہ کو اِس قدر فخر و ناز ہی،

اور اِس کی کیا ضرورت ہی کہ حق کا ثبوت قرون ماضیہ کی تاریخ کے صفحات مین تلاش کیا جائے، جبکہ زمانہ حال کے پاس وافر شہادت موجود ہی، ایشیا بھی ایک وسیع سلطنت ہی، جہان علم کا احترام کیا جاتا ہی اور جہان علم کے ذریعہ معزز عہدون تک رسائی ہوتی ہی، اگر علوم، اخلاق کو ترقی دے سکتے ہین، اگر علم سے ہمارے اندر شجاعت، حب الوطنی اور ایثار کے جذبات پیدا ہو سکتے ہین تو اہل چین کو آج سب سے زیادہ فہمیدہ اور سب سے پہلے آزاد اور ناقابل تسخیر ہونا چاہیے تھا، لیکن امر واقعہ یہ ہی کہ کوئی عیب نہین، جس کا داغ اون کے دامنِ اخلاق پر نہو، کوئی جرم نہین، جس کے وہ مرتکب نہون، جبکہ وزرا کی فراست، قانون کی ہمہ گیری اور جمہور کی وسیع آبادی چین کو جاہل اور شقی تاتاریون کے حملہ سے نہ بچا سکی،

تو علم و ادب کی یہ ساری کائنات، آخر کس دن کے کام آوے گی، ملک کو ان خطابات سے کیا نفع پہونچا جو علمار کو بخشے گئے تھے، کیا اس کا منشا، یہ تھا کہ پاجیون اور غلامون کی نسل پھلے اور پھولے؟

اس کے مقابلہ مین ان اقوام کے اخلاق پر ایک نظر ڈالو، جو بیکار علم و فضل کی چھوت سے بچکر، اپنی نیکی کے بل پر آج سب سے زیادہ مسرور اور سب سے زیادہ مطمئن ہین، یہ اقوام فی الحقیقت دنیا کے سامنے ایک بہترین قابل تقلید نمونہ پیش کرتی ہین، اس قبیل کی ایک قوم ایرانیون کی تھی جس کو نیکی کی تعلیم اس اہتمام سے دی گئی تھی، جیسا کہ آج ہم کو علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہی، اس قوم نے ایشیا کو بات کہتے مغلوب کر لیا اور اس امر کا افتخار تنہا اس قوم کو حاصل ہی کہ اس کی سیاسی تاریخ گویا ایک فلسفیانہ افسانہ ہی یہی حال قابل صد ہیچ سائیدین نسل کا ہی اور یہی کیفیت جرمنون کی ہی جن کی سادگی عفت اور سعادت کا بیان، مورخ کے قلم کے واسطے جو روشن خیال، دولتمند اور عیش پسند اقوام کے خبائث لکھتے لکھتے اکتا گیا ہو، آسودگی بخش ہی، یہی حال افلاس اور جہالت کی حالت مین رومہ کا تھا اور یہی حال ہمارے زمانہ مین ان وحشی قبائل کا ہے، جن کی مشہور زمانہ شجاعت کو کوئی مصیبت زیر نہین کر سکتی اور جن کی عصمت کو کوئی تحریص گندہ نہین کر سکتی، مین ان خوشحال قومون کے تذکرے کی ضرورت نہین سمجھتا جو بہت سی برائیون کا جن کے دبانے مین ہمین بڑی دشواری پیش آتی ہی نام تک نہین جانتے تھے، دور کیون جاؤ، امریکہ کے وحشی کو لو جس کی سادہ اور قدرتی طرز حکومت کو مانتین، افلاطون کی

سیاسیات ہی پر نہین بلکہ ان تمام خوابون پر فلسفہ نے دیکھے یا جن کی حکمت نے تعبیر دی ہے، ترجیح دیتا ہی، ان لوگون نے اپنے مشاغل مفیدہ کو دماغی ریاضت پر نادانستہ ترجیح نہین دی تھی، بلکہ وہ خوب جانتے تھے کہ دوسرے ملکون مین معیار اخلاق اور ماہیت خیر و شر کی بیکار بحثون مین وقت ضایع کیا جاتا ہی، اور ازکار رفتہ حکما، اپنے منھ سے اپنی تعریف اور دوسرون کی مذمت کرتے ہین، جن کو اونھون نے وحشی کا لقب دے کر انکو بنا رکھا ہے، لیکن ان "وحشیون" کی نظر سے ان حضرات کے اخلاق پوشیدہ نہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان کے علم و فضل کی حقیقت کیا ہے،

(من خوب می شناسم پیران پارسارا)

کیا تاریخ اِس شہر کو فراموش کرسکتی ہے جو یونان کے قلب مین آباد تھا اور اپنے باشندون کی مبارک جہالت اور قانون کی دانائی کے واسطے شہرۂ آفاق تھا، یہ گویا دیوتاؤن کی جمہوری سلطنت تھی نہ کہ انسانون کی، ان کے فضائل اِنسانیت کے درجہ سے بہت بالاتر تھے، جس وقت رذائل، فنون لطیفہ کی سرکردگی مین ایتھنز کے رگ و پے مین سرایت کرتے جاتے تھے، جبکہ وہان کا ظالم حکمران، ملک الشعراء، ملک کا کلام جمع کر رہا تھا، اسپارٹا جو علم کے غرور سے پاک تھا، اپنے پاس فن اور اہل فن، علم اور اہل علم کو پھٹکنے نہین دیتا تھا،

اِن دونون کے درمیان جو باہمی فرق تھا، بالآخر سامنے آگیا، ایتھنز ذوق سلیم تہذیب کا مرکز بنا، جس کی خاک سے بڑے بڑے فصحا اور حکما، اُٹھے، اس کی عمارتون کی

خوبی ونفاست اور زبان کی بلاغت وشستگی نے چار دانگ عالم سے خراج تحسین وصول کیا، شہر مین ہر چہار جانب، ہنرمند مصورین نے گویا پتھر اور کپڑے مین جان دی تھی، ایتھنز ان تمام حیرت افزا کارنامون کا یادآور ہی، جن سے ہر گزرے ہوئے زمانہ مین سبق حاصل کیا جا سکتا ہی، لیکن لیسی ڈیمن کی تصویر کا یہ آب ورنگ نہ تھا، وہ بقول اپنی ہمسایہ اقوام کے نیکون کی بستی تھی، جہان ہوا کے ساتھ نیکی سانس کے اندر جاتی تھی، اس کے باشندون نے اپنی شجاعت کے کارنامون کے علاوہ کوئی دوسری یادگار نہین چھوڑی، لیکن یہ بجائے خود ایک ایسی یادگار ہے جو باریک بین نظر کے آگے، ایتھنز کی پتھریلی یادگارون سے کہین زیادہ برتر وقیمتی ہی،

اس مین شک نہین کہ ایتھنز مین خال خال ایسے نفوس بھی تھے، جنھون نے زمانہ کے طوفان کا مقابلہ کیا اور اپنے خیالات کو مصوری وشاعری کے پرستان کے درمیان بھی پاکیزہ رکھا، چنانچہ ان مین سے ایک ممتاز ترین لیکن بدقسمت شخص کی رائے سنو جو اس نے ہم عصر ارباب علم وفن کی نسبت قایم کی تھی،

"مین نے شعرا کی حالت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی قابلیت خود ان کو اور دوسرون کو دھوکے مین ڈالے ہوئے ہی، وہ اپنی نازک خیالی کا سکہ بٹھانا چاہتے ہین اور اس مین فی الجملہ کامیاب بھی ہوتے ہین، لیکن اصلیت بہت جلد بے نقاب ہو جاتی ہی"

آگے چل کر سقراط کہتا ہی "شعرا کے بعد، مین مصورون کی جماعت کی طرف متوجہ ہوا، مجھ سے زیادہ جاہل، اور علم وفن سے کورا کوئی نہ ہوگا، لیکن مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا، کہ وہ بھی شعرا کی طرح غلط راستہ پر پڑے ہوئے ہین اور دونون ایک ہی قسم کی غلط فہمی مین مبتلا ہین،

چونکہ سب سے زیادہ مشاق ہاتھ اپنے ہم چشموں پر سبقت لیجاتا ہی پس وہ خیال کرنے لگتا ہی کہ دنیا
کی ساری عقل و دانش اسی کے حصہ مین ہی، اس تکبر نے اون کو میری نظر سے گرادیا، پس مین نے
اپنے دل سے اِس طرح استفسار کیا جیسا کہ کوئی کسی دیوتا سے استخارہ کرتا ہی کہ آیا مجھے اپنی
موجودہ حالت پر قناعت کرنا چاہیئے یا اون کے مثل بننے کی سعی کرنا چاہیئے، کیا مجھ کو وہ جاننے کی
کوشش کرنا چاہیے جو وہ جانتے ہین یا اپنی جہالت پر قانع رہنا چاہیے، میرے قلب نے گواہی
دی کہ میری موجودہ حالت قابل ترجیح ہی،

"نہ سوفسطائی، نہ شعرا، نہ خطبا اور نہ مین، کوئی بھی نہین جانتا کہ حق، خیر اور جمال کی
ماہیت کیا ہی، لیکن میرے اور اون کے درمیان فرق یہ ہی کہ وہ کچھ نہین جانتے اور جاننے کا دعویٰ
کرتے ہین اور مین کچھ نہین جانتا لیکن یہ جانتا ہون کہ کچھ نہین جانتا، بہرطور مجھے قطعیت کے ساتھ
اپنی لاعلمی کا تو علم ہی، دار الکہانت نے جو میرے عقل کی فضیلت کو سراہا ہی، اوس کا منشا اِس کے
سوا کچھ نہین کہ مجھ کو اون امور سے متعلق جو میری واقفیت سے باہر ہین، لاعلمی کا کامل اعتراف ہی"

الغرض تم نے دیکھا کہ سقراط جو دیوتاؤن کے نزدیک عاقل ترین اِنسان اور یونانیون
کی رائے مین ایک جید عالم تھا، کس قدر جہل کا معترف ہی اور اگر آج بھی وہ ہمارے درمیان، بقید
حیات ہوتا اور علمائے عصر اوس کو اپنا ہم خیال بنانے مین ایڑی چوٹی کا بھی زور لگا دیتے، تو بھی
صاحبو! یہ دیانت کا پہاڑ، اپنی جگہ سے نہ ہٹتا اور اون کی علمی خرافات کو حقارت کی نظر سے دیکھتا،
کتابونکا کاغذی سیلاب جو ہر چہار جانب سے آرہا ہی سقراط کے سر دامن کو بھی تر کرنے مین کامیاب
نہین ہوسکتا تھا، اور جس طرح وہ اپنی اتباع کی ہدایت کے واسطے اپنے فضائل و خصائل کی محض یاد

چھوڑ گیا تھا، اسی طرح ہمارے واسطے بھی چھوڑ جاتا اور سچ یہ ہی کہ بنی نوع انسان کی تعلیم کا یہی ایک بہترین طریقہ ہی،

سقراط نے ایتھنز مین اور کیٹو اکبر نے رومہ مین یونانیون کے کر و فریب کے خلاف جنھون نے اپنے ہم وطنون کے اخلاق و مردانگی کو تباہ کرنے مین کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی تھی، جہاد عظیم شروع کر دیا تھا، اس عہد مین بزعم خویش، نام نہاد تہذیب و تمدن کا دور دورہ تھا، رومہ، حکما و فصحا سے لبریز تھا، لیکن فوجی ضبط و انصرام مفقود تھا، زراعت سے غفلت کی جاتی تھی، باشندہ قبیلون مین تقسیم ہوکر، اپنے ملک کو بھول گئے تھے، آزادی، ایثار اور اطاعت کے مقدس نامون کی جگہ اپیکورس، زینو اور آرسیسی لاس نے چھین لی تھی، حتی کہ خود اس عہد کے فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ جب سے علم کا ظہور ہوا، ایمانداری کے آفتاب کو گہن لگنا شروع ہو گیا، اگلے زمانہ مین رومی، نیک اور پارسا ہوتے تھے، لیکن جب سے اونھون نے پارسائی کا مطالعہ شروع کیا، پارسائی کا خاتمہ ہو گیا،

اگر فابرشیئش[1]، جس کے دست و بازو کی قوت نے رومہ کو تباہی سے بچایا تھا، اور جس کی ساری شہرت ملکی فتوحات سے کہین زیادہ، اوس شخص کے نام کے ساتھ انتساب سے ہی، اگر یہ شخص آج کسی طرح دوبارہ زندگی پاکر ہمارے درمیان آجاتا اور رومہ کی موجودہ شان و شوکت دیکھتا تو بیساختہ چیخ اُٹھتا کہ "اے خدا! وہ چھپر وہ دیہاتی آتشدان کیا ہوئے جو پہلے زمانہ مین نیکی کا نشیمن تھے، رومی سادگی کی جگہ یہ کیسا ہولناک بناؤ چھایا ہوا ہی؟

[1] Fabricius تیسری صدی قبل مسیح کا سالار لشکر اور مدبر،

یہ غیر زبان کہان کی ہی؟ یہ زنانہ انداز کیسے ہین؟ یہ بت، یہ تصویرین یہ مرقع یہ عمارتین کہان سے آئین؟ احمقو! تم نے یہ کیا کیا؟ تم جو کرۂ ارض کے آقا تھے، اپنی مفتوحہ چھچھوری قومون کے دام مین پھنس کر خود اون کے غلام بن گئے ہو! خطیب اور مقرر تم پر حکومت کرتے ہین! افسوس! کیا تم نے یونان اور ایشیا کی زمین کو اپنے خون سے اس لئے سینچا تھا کہ معمارون، مصورون، سنگ تراشون، اور تھیٹر کے ایکٹرون کا دوزخ شکم بھرے؟ قرطاجنہ کا مال غنیمت بانسری بجانے والے کو بطور انعام بخشا جاتا ہی! اے اہل رومہ اسی مین خیر ہی کہ اپنے تھیٹرون کو ڈھا دو، بتون کو توڑ ڈالو، تصویرون کو جلا دو، اور اپنے درمیان سے اون کنیزون کو نکال باہر کرو، جن کے ہلاک ہنر تمہارے اخلاق کو غارت کر رہے ہین، ان فضول قابلیتون سے دوسرون کو شہرت حاصل کرنے دو، تمہارا ذاتی جوہر جو رومہ کے شایان شان ہی یہ اور صرف یہ ہی کہ دنیا کو فتح کرو اور نیکی کو اوس کا حکمران بناؤ، تمھین یاد نہین جب سائنیز[1] نے رومہ کے دیوان عام مین، دربار سلاطین منعقد کیا تھا، تو اوس نے وہان آکر غیر ضروری نمایش و آرایش اور بناوٹی آداب تہذیب نہین دیکھی تھی، اوس نے مقررون کی فضول بکواس نہین سُنی تھی، جس کو اب بر خود غلط لغو خطیب، سرمایۂ نازسمجھتے ہین، اور ناموری کا آلہ تصور کرکے، اس پر اس قدر اپنی جان کھپاتے ہین، بس وہ کون سی عظمت تھی جو سائنیز نے مشاہدہ کی تھی، میرے ہم وطنو! اس نے وہ شریفانہ منظر دیکھا تھا، جس کی نظیر چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہو گی، اور یہ منظر تمہاری دولت اور تمام فنون یکجا ہو کر بھی نہین دکھا سکتے، یعنی اس نے دو سو خوشخصال انسانون کا مجمع دیکھا جو رومہ پر فرمانروائی

[1] Cyneas

کی اہمیت اور تمامی عالم پر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے،،

اور ہم کو اس قدر دور جانے کی کیا ضرورت ہی کہ گذشتہ زمانہ اور دور افتادہ ممالک کا مطالعہ کرین ہم اپنے ملک اور اپنے زمانہ ہی کا مشاہدہ کیون نہ کرلین اور غور کرین کہ آخر یہان کیا ہو رہا ہی، مین ان تمام ناروا بیانات کو قلم انداز کرتا ہون جن کو سنکر، تہذیب کی آنکھین شرم سے نیچے جھک جاتی ہین، اور یہ ذکر ہی بھی بے سود، اس لیئے کہ یہ گویا ایک ہی بات کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرنا ہو گا،

فائبرشیس کے زبان سے جو خیالات ادا کرائے گئے ہین وہ تمام تر، لوی دوازدہم اور ہنری چہارم کے منہ سے بھی اسی مناسبت کے ساتھ نکل سکتے ہین، یہ سچ ہی کہ آج سقراط کو فرانس مین شوکران کا پیالہ پینا نہ پڑتا، لیکن اُسے اس سے کہین زیادہ تند و تلخ دارو جام نوش کرنا پڑتا، جس کو عرف عام مین تضحیک، توہین اور تحقیر کہتے ہین اور جو موت سے سو درجہ بدتر ہی،

پس انسان کے غرور کی یہ ساری جد وجہد جو خوشگوار جہالت کے درمیان سے نکلنے مین کی جاتی ہی جس کے اندر ہم کو اس عالم الغیب کی مشیت نے رکھا تھا، ساری خرابیون کا پیش خیمہ ہی، بد راہی، عیش پرستی، سیاہ کاری، شہوت رانی، اور غلامی یہ سب اسی کا نتیجہ ہین، وہ موٹی نقاب جو اس کی حکمت بالغہ نے، نوامیس نطرت کے چہرہ پر ڈال دی ہی، اس امر کی بین دلیل ہی کہ ہم کو اس کے اندر رخنہ ڈالنے کے لیئے نہین پیدا کیا ہی، ہمارا منشا آفرینش، عمر عزیز کو، بیسود اکتشاف وتحقیق کی راہ مین رائیگان کرنا ہرگز ہرگز نہین ہو سکتا. کیا اس سے مفید تر کوئی دوسرا سبق ہو سکتا ہی اور اس کے یاد کرنے مین طفل مکتب کی طرح ہم نے جان

نہین چرائی ہی؟ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے یہ تنبیہ اپنے دل پر نقش کرلینا چاہیئے کہ جس طرح
مان اپنے ناسمجھ بچے کے ہاتھ سے خطرناک ہتھیار چھین لیتی ہی، اسی طرح، قدرت، انسان کو
علم کے ضرر سے محفوظ رکھنا چاہتی ہی، ہم کو خوب اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ وہ تمام اسرار
جن کو قدرت نے ہم سے پوشیدہ رکھا ہی، ہمارے حق مین مہلکات ہین، جن سے وہ ہم کو بچانا
چاہتی ہی تحصیل علم مین انسان کو دشواریان لاحق ہوتی ہین وہ کہنا چاہیے کہ مادر قدرت
کی عین نوازش ہی، انسان کی ابتدا جہل و نادانی سے ہوتی ہی، لیکن یقیناً اس کا حال بدرجہا
خراب ہوتا اگر بدقسمتی سے وہ پیدا ہی عالم ہوتا!

انسانیت کے واسطے یہ خیالات کس قدر توہین آمیز معلوم ہوتے ہین، اور ہمارے
غرور کو اون سے کس قدر اذیت پہونچتی ہی، حیرت اپنے دل مین یہ سوال کرتی ہوگی کہ کیا واقعی
جہالت، ایمانداری کی مان ہی؟ کیا علم و دانش مکارم اخلاق کی منافی مین؟ ان تقدیرات پر
جو نتائج مستنبط کیے جائین وہ بجا ہین، لیکن ان ظاہری تناقضات کو رفع کرنے کے غرض سے
ایک نظر ہم کو ان مفتخر خطابات کے کھوکھلے پن اور بیہودگی پر ڈال لینا چاہیئے جو کس آب و
تاب سے انسانی نفس کو عطا کیئے جاتے ہین اور جو ہمارے عقل کی آنکھون مین خاک جھونک
دیتے ہین، ہم کو چاہیے کہ ہم علم و فن کی ماہیت پر غور کرین اور دیکھین کہ اون کے عروج کا
قدرتی انجام کیا ہوتا ہی اور پھر ان اُمور کے تسلیم کرنے مین ہم کو مطلق تامل نہ کرنا چاہیئے،
جن کی تائید مین ہمارے عقل کے ہمنوا تاریخی تجربات بھی ہین،

حصّۂ دوم

مصر کی ایک قدیم روایت چلی آتی ہی جو یونان مین بھی متعارف ہی کہ علم کا موجد ایک دیوتا تھا، جس کی اِنسان سے اَن بن تھی اور جو اِنسان کی آسایش کو دیکھ نہین سکتا تھا، اِس کہاوت سے پتہ چلتا ہی کہ اہل مصر جن کی آغوش مین علم نے پرورش پائی علم کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے، یہ اُن لوگون کا مقولہ ہی جنھون نے اِس سرچشمہ کا، کنارے پر کھڑے ہو کر، قریب سے مشاہدہ کیا ہی، جہان سے علم کی شاخین پھوٹی ہین حقیقت یہ ہی کہ خواہ ہم قصص پارینہ کی اوراق گردانی کرین، اور خواہ فلسفہ کی روشنی مین تاریخ کے تاریک واقعات سے نتائج اخذ کرین، اِس امر کے تسلیم کرنے سے بہرحال مفر نہ ہو گا کہ علوم و فنون کی نسبت جو حُسن ظن ہمارے قلوب مین ہی، وہ اصلیت سے منزلون دور ہی، چنانچہ ملاحظہ ہو، ہیئت نے توہمات کی گود مین نشو و نما پائی، فن خطابت، جاہ طلبی، کینہ پروری، دروغ بیانی اور خوشامد سے پیدا ہوا، علم ہندسہ نے حرص و ہوا کی فضا مین جنم لیا، طبعیات ایک بے سود جذبہ تفتیش کا ثمرہ ہے، حتی کہ فلسفہ اخلاق کی پیدایش بھی نخوت کے بطن سے ہوئی، الغرض ہر علم و فن کا منبع تلاش کرنے سے اِنسانی رذائل کے اندر ملتا ہی، بلاشبہہ، انکا مبدا اگر فضائل اخلاق ہوتے تو ان کو اِس قدر مشتبہ نظرون سے نہ دیکھا جاتا جیسا کہ اب لازماً دیکھنا چاہیے،

غور کرو تو ان کی اصلیت کا خبث، خود ان کے مقاصد مذمومہ پر بخط جلی لکھا پاؤ گے،

ذرا سوچو کہ اِن تمام علوم وفنون کا کیا حشر ہوگا۔ اگر نفس پرستی اور عیش پسندی اپنا دامن ان کے سر سے اُٹھالے، اگر نوع اِنسان کے درمیان ظلم وستم شایع ہی نہ ہوتا، تو پھر قانون و عدالت کی کیا حاجت تھی، تاریخ کو، کون پوچھتا اگر سرے سے دنیا مین جور وظلم، جنگ وجدل کشت وخون، سازش وفریب کا وجود ہی نہ ہوتا، کس کے سر مین پھوڑے نکلے تھے کہ وہ عقلیات کی بنجر زمین مین تخم پاشی کرکے اپنے اوقات ضائع کرتا،، اگر انسان کو صرف احتیاجات نوعی کا احساس ہوتا اور فرائیض فطری خندہ پیشانی کے ساتھ اداکرتا رہتا، اپنی زندگی کو وطن کی خدمت گزاری، احباب کی دستگیری اور مصیبت کے مارون کی امداد کے واسطے وقف رکھتا کیا ہم اسلیئے پیدا ہوئے ہین کہ جس کنوین مین حق مدفون ہی اوس کے کنارے پیدا ہون اور دہین جان دیدین؟ میرے خیال مین صرف یہی ایک بات فلسفہ وحکمت کے بے سود مطالعہ کا سدباب کرسکتی ہی،

چوطرفہ، خطرات کا ہجوم ہی اور تحقیق کی گرد وپیش اتنی غلط راہین کھُلی ہوئی ہین کہ ہمارے قدم کا صحیح راہ پر پڑنے کے بجائے غلط راہ پر پڑجانے کا زیادہ احتمال ہی، پھروہ تمام غلطیان جن کے جال مین ہر قدم پر پھنس کر رہجانے کا امکان ہی، قطعاً زیادہ مضرت رسان ہین، بہ مقابلہ اوس حق کی منفعت بخشی کے جس کے جستجو مین ہم نکلے ہین، ہماری مشکلات محتاج بیان نہین، اسلیئے کہ اگر حق کی واحد مطلق شکل ہی، تو باطل بے شمار شکلون مین ہمارے سامنے آکر ہمین دھوکا دے سکتا ہے ؎

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد ۔۔۔ عالم تمام حلقۂ دام خیال ہی

علاوہ برین مجھے بتائیے کہ وہ کونسا شخص ہی جو بالکل سچائی کے ساتھ محض حق کی تلاش مین کوشش کرنے کھانے نکلا ہو، اور پھر تھوڑی دیر کے لیے ہم اوس کی نیک نیتی کو تسلیم بھی کرلین تو یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آخر وہ کون سی علامت ہی جس کے ذریعہ سے وہ حق کو امتیاز کریگا، لاتعد و لاتحصی اختلافات خیالات کے درمیان، وہ کونسا معیار ہی جس کے روسے ہم صحیح فیصلہ کرسکین، اور پھر آخر مین جو امر سب سے زیادہ دشوار ہی وہ یہ ہی کہ بالفرض ہم اپنی خوش بختی سے حق کو پا بھی جائین تو کون دعوی کرسکتا ہی کہ وہ اِس کا صحیح اِستعمال بھی کرے گا،

پس علوم کا وجود، جس قدر اپنے اغراض کے لحاظ سے عبث ثابت ہوتا ہی اس سے کہین زیادہ اپنے نتائج کے اعتبار سے خطرناک ہی، چونکہ علم کاہلی کے بیج سے پیدا ہوتا ہی، اسلئے کاہلی وسہل انگاری کے برگ و بار لاتا ہی اور سوسائٹی کی زمین مین تضیع اوقات کا زہریلا بیج بوتا ہے، حیات اِنسانی کا کارآمد مشاغل سے تہی دست ہونا، مذہب سیاسیات کا بھی اسیقدر سنگین گناہ ہی، جیساکہ مذہب اخلاقیات کا اور ایک غیر مفید ہستی کا وجود، سوسائٹی کے واسطے خطرۂ عظیم ہی، اے مشاہیر فلسفہ و حکمت ابمجھے بتاؤ کہ تم سے جو معلومات گوناگون ہم حاصل کرتے ہین، ان سے ذرہ بھر مادی فائدہ بھی ہم کو پہونچ سکتا ہی، تم ہمین بتاتے ہو کہ خلا کے اندر کشش ثقل کی نسبت یہ اور یہ ہوتی ہی اور بہ وقت واحد مختلف سیارون کے درمیان نسبت مسافت یہ ہوتی ہی، تم ہمین تعلیم دیتے ہو کہ خطوط منحنی[1] مین، نقاط متبادلہ[2]، کِس کو کہتے ہین، نقاط انحنائیہ[3] کن کا

[1] خط منحنی Curve [2] نقاط متبادلہ Conjugate points

[3] نقطۂ انحنائیہ Point of inflection

نام ہی اور نقاط متصلہ[1] سے کیا مراد ہی، تم جو ہم سے کہتے ہو کہ جسم و روح کے درمیان وہی مطابقت ہی جو دو گھڑیون کے درمیان ہوتی ہی، حالانکہ ایک دوسرے سے غیر مربوط اور جدا ہوتے ہین تم ہمین یہ بھی بتاتے ہو کہ فلان سیارہ قابلِ سکونت ہی اور فلان نہین ہی اور یہ کہ بعض کیڑون کا طریقِ تناسل معمول کے خلاف ہوتا ہی، براہ مہربانی، مجھے بتاؤ کہ اگر ہم تم سے یہ معلومات عالیہ حاصل نہ کرتے تو کیا ہم مردم شماری مین کم ہو جاتے، یا ہمارا نظامِ حکومت ناقص رہجاتا، یا یہ کہ ہماری وقعت یا فلاح مین فرق آجاتا یا یہ کہ ہمارا بدی کی جانب میلانِ طبع زیادہ ہوجاتا،

اپنے دل مین ذرا سوچو کہ تمھارے تصنیفات کی بھلا کیا قدر ہو سکتی ہی، جبکہ اعلیٰ دماغ، جیّد عالم اور زبدۃ الفضلار کی دماغ سوزیون کا یہ حال ہی، کہ منفعت عامہ اور سودمندی سے بالکل عاری ہین، پھر بتائیے کہ مہمل نویسون کا وہ غول اور ”بیکار محض“ ادیبون کا وہ گلہ، جو مفت مین حکومت کا خون چوستا ہی، کس مصرف کا ہی؟

(دوزخ مین ڈالدو، کوئی لیکر بہشت کو)

میرے مُنھ سے ”بیکار محض“ کا لفظ نکل گیا، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے کی جا تھی، اگر بس اتنا ہی ہوتا کہ ان حضرات کی ذات سے جماعت کو کسی طرح کا نفع نہ پہونچتا، اگر صرف اتنا ہوتا، تو بھی ہمارے اخلاق بدرجہا اچھے ہوتے، اور ہماری زندگی کمال طمانیت سے گذرتی لیکن قیامت تو یہ ہی کہ مغرور اور باطل پرست، کلہ دراز اپنی زہریلی بدعتون کو چو طرفہ پھیلاتے پھرتے ہین اور ہمارے ایمان کی جڑ اور اعمال صالحہ کی بنیاد کو کھود کر پھینک رہے ہین حبّ وطن

[1] نقطۂ متصلہ

اور مذہب کے پاک ناموں کی ہنسی اُڑاتے ہین اور اپنی ساری علمیت ہمارے قدیم اور عزیز عقاید کی، تخریب و توہین مین صرف کر رہے ہین کہ وہ فی نفسہ نیکی اور عقیدہ سے بیر رکھتے ہین، بلکہ یہ کہ وہ قومی روش و رائے کے دشمن ہین، اگر عالم کے کُل ملحدون کی ایک نوآبادی قایم کرکے، ہر ملحد کو جلا وطن کرکے، اوس مین بسا دیا جائے، تو یقین ہے کہ بہت تھوڑے عرصہ مین وہ سب گرجا کی محراب کے آگے گھُٹنے ٹیک دینگے، "یگانہ روزگار" بننے کا خبط بھی، انسان سے کیا کیا خرافات کراتا ہی،

تضیعِ اوقات، بلا شک ایک نہایت مذموم عمل ہی لیکن اِس کے علاوہ، اور بہت سے ذمائم، علم و ادب کے جلو مین ہوتے ہین، چنانچہ اِنہی مین سے ایک عشرت پسندی ہی جو دیگر خصائل قبیحہ کی طرح کاہلی اور غرور سے پیدا ہوتی ہی، ایسا تو شاذونادر ہوتا ہے کہ عیش پسندی کے ساتھ عِلم نہ پایا جائے، لیکن ایسا کبھی نہین ہوتا کہ عِلم کے ساتھ عیش طلبی نہ پائی جائے، مین جانتا ہون کہ جہان فلسفہ کے اور بہت سارے خلاف عقل دعوی ہین وہان ایک یہ بھی ہی، اگرچہ ہر عہد کے تاریخی تجربات نے اوس کو جھٹلایا ہی، کہ "تعیش کے گوہر سے تاج کی زینت ہی" قطع نظر قانون تقلیل مصارف کے نفاذ کی ضرورت و اہمیت کے، کون انکار کرسکتا ہی کہ اخلاق کی راستی پر حکومت کی بقا کا مدار ہی، اور راستی و درستی اخلاق عیش طلبی کی ضد اور عکس ہی،

ہم یہ تسلیم کیے لیتے ہین کہ عیش جوئی دولتمندی کا ایک ضمیمہ خاص ہی، ہم یہ بھی آپ کی خاطر سے، تھوڑی دیر کے لیے، فرض کیے لیتے ہین کہ عیش و آرام، دولت و مال کی ترقی مین معین ہین، لیکن اِس قبیل کی مستبعدات جو زمانہ کا فیشن بن گئے ہین، مان لینے سے مآل کار کیا نکلے گا،

بہرحال اگر ہم تحصیل مال ومنال کو اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دے لین تو فرمائیے کہ پھر ہمارے محاسن اخلاق کا کیا حشر ہوگا، اور "نیکی" کی کیا کچھ گت بنیگی، قدیم ماہر سیاسیات، اور مدبر بات بات پر "مکارم اخلاق" "حسنات" اور "فضائل" کے الفاظ استعمال کرتے تھے، لیکن عصر جدید کے ارباب حل وعقد "تجارت" اور "دولت" کے سوا کسی چیز کو نہین جانتے، کوئی کہتا ہی کہ فلان ملک مین انسان کی قیمت صرف اِس قدر ہی جس قدر جائداد کی قیمت الجزائر مین اوٹھ سکتی ہی، دوسرا حساب لگا کر، تخمینہ کرتا ہی کہ فلان ملک مین آدمی کو بیچنا چاہو تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور فلان ملک مین تو اِس کی قیمت سے بھی کم ہے، اُلٹا اپنی گرہ سے دینا پڑے، یہ لوگ اِنسان کی قدر اور قیمت کا اندازہ بیلون کے گلہ کی طرح لگاتے ہین، چنانچہ، اون کے نقطۂ نظر سے اِنسان کی قیمتِ معاوضہ حکومت کے واسطے صرف اس مقدار پیداوار کے حساب سے ہوسکتی ہی جو وہ اپنے صرف مین لاتا ہے، چنانچہ سائبیریز کا ایک باشندہ لیسی، ڈیمونیا کے کم از کم تینتیس باشندون کے برابر قیمت رکھتا ہی، ان محاسبین سے ذرا کوئی پوچھے کہ وہ کونسی جمہوری سلطنت تھی، سائبیریا یا اسپارٹا جس کو معدودے چند کسانون نے فتح کیا تھا اور جو تمام ایشیا کے واسطے ہیبت بن گئی تھی، سائبریز کی بادشاہت تیس ہزار جوانون کے ایک مفلس شہزادہ کی سرکردگی مین، جو اپنی جگہ، ایک ایرانی صوبہ دار سے بھی کم حیثیت تھا، فتح کرلی اور سائیڈین فوج نے جو افلاس مین سب قومون سے بڑھ کر تھی، دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کا منھ پھیر پھیر دیا، جب فرمانروائی عالم کی امیدواری مین دو جمہوری حکومتین کھڑی ہوئین جن مین سے ایک مال و دولت سے بہرہ مند اور دوسری تہی دست تھی، تو کامیابی آخر الذکر ہی کے ہاتھ رہی، اور رومہ کی سلطنت، ثروت و نعمتِ دنیا سے خوب تشکم سیر ہو نے

کے بعد بالآخر اِس قوم کا شکار ہوئی جو دولت کے نام سے بھی آشنا نہ تھی، فرانکون نے گالون کو زیر کرلیا، سیکسنون نے انگلینڈ فتح کیا، جبکہ اُن کے پاس شجاعت و افلاس کے سوا دوسرا خزانہ نہ تھا، غریب پہاڑیون کا گروہ جن کی طمع کا سدرۃ المنتہیٰ بھیڑکی چند کھالون سے زیادہ نہ تھا، آسٹریا کے غرور کو پسپا کر کے آگے بڑھے، اور گنڈی کے پرعظمت و اجلال محل پر اپنا نشان فتحمندی نصب کیا، یہ وہ ایوان تھا جس کے روبرو آکر یورپ کی بڑی بڑی قوتین تھرتھر کانپتی تھین، چارلس پنجم کے وارث کی ساری شہامت و دانائی مٹھی بھر راہی گیرون کا شکار ہوگئی، پس مدبرین وقت سے میری بصد ادب التجا ہی کہ وہ براہ مہربانی ایک لمحہ کے لیے اپنی سیاسی مساحت و تخمین کو علٰحدہ رکھدین اور اِن مثالون پر غور کرین، ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ اگرچہ روپیہ ہر چیز خرید سکتا ہی لیکن اخلاق حمیدہ اور قابل شہری نہین خرید سکتا، چنانچہ عشرت رانی کے متعلق تنقیح طلب یہ امر ہے کہ سلطنتون کے حق مین کونسی صورت بہبودی کی ہی آیا یہ کہ اِن کا وجود پُر رونق و آراستہ مگر عارضی و ہنگامی ہو یا یہ کہ صفات حسنہ سے مزین اور دیرپا ہو، پُر رونق و آراستہ الیکن کس زیور سے، ذوقِ آرایش اور حاسۂ ایمان کبھی ایک دل مین جمع نہین ہوسکتے، یہ قطعی ناممکن ہی کہ وہ دماغ جو پوچ اور لچر خیالات کا فانوس بنا ہوا ہو، حقیقی عظمت و شرافت کا تجلی گاہ بن سکے، اگر اس مین صلاحیت بھی ہو تو ہمت نہین ہوسکتی،

اہل فن داد و تحسین کے پیاسے ہوتے ہین اور ہم عصرون کی ستایش، اپنی محنت کا سب سے بڑا معاوضہ سمجھتے ہین، فرض کرو کہ ایک ماہرِ فن اپنی سیاہ بختی سے ایسے زمانہ مین

پیدا ہوتا ہی، جہان اگرچہ علم و ادب کا چارسو ڈنکا بج رہا ہی، لیکن نوخیزون کی سطیح النظری اور خیرہ مذاقی ہر شعبہ ادب پر چھائی ہوئی ہی، مذاق سلیم کی آزادی زمانہ کے دستبرد سے سلب ہوگئی ہی، اور رجویت پر نسائیت کا غلبہ ہی، شاعری کے بلند تخیلات اور موسیقی کی اعلیٰ الحان کو کوئی نہین پوچھتا، ایسی حالت مین، فرمائیے کہ وہ یکتائے عصر قدرتہً کیا کریگا، اس کو لا محالہ، اپنی رفعت خیال پست سطح پر طوعًا و کرہًا اُتارنا ہوگی، اور ایسے کم پایہ تصنیفات پر قناعت کرنا ہوگی، جن کی قدر زمانہ کرسکے،

جبکہ ان تمام اعلیٰ خیالات و جذبات کی ترجمانی سے جن کی قدر مرنے کے بہت عرصہ بعد ہوسکتی ہی، دست بردار ہونا پڑیگا مشہور عالم شاعر والٹیر سے کوئی پوچھے کہ اُسے کتنے دلنشین و دلگداز اعلیٰ و زبردست مضامین پست اور ادنیٰ نازک خیالی کی خاطر ذبح کرنا پڑے اور کتنے تخیلات، جن کا مایۂ خمیر عظمت و شرافت تھا، اوس مذاق مبتذل کی نذر ہوگئے، جو بازاری اور چھچھوری داد پر مٹا ہوا تھا،

الغرض تخریب اخلاق جو عشرت پسندی کا لازمی نتیجہ ہی، ذوق سلیم کو بھی بگاڑ دیتا ہی اور بالفرض ان ذلیل اور ادنیٰ قابلیتون کے درمیان، کوئی ایسا عالی ہمّت دماغ ہوا بھی جو زمانہ کی روش پر نہ چلا اور جس نے اپنے نام کو دون مرتبہ تصنیفات کے داغ سے بچایا، تو ظاہر ہی کہ اس کو کیا کیا کچھ کڑی جھیلنا ہوگی، اور انجام افلاس اور گمنامی کی موت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا یہ کوئی پیشین گوئی نہین ہی بلکہ واقعات ہین، جن کو تاریخ بارہا دہرا چکی ہی، اور تجربہ ثابت کرچکا ہی ہان اے کازلے اور پیری وانلو! اب وہ وقت آگیا، جب کہ تمھارے ہاتھ سے پنسلین چھوٹ کر گرجائین، اس لئے کہ اب

تم اِن سے وہ مقدس مرقع نہین کھینچ سکتے جو عبادتگاہون کی شان بزرگی کے شایان تھے، ہان اب تمھارے سامنے دو ہی صورتین ہین یا تو قلم اپنے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیئے پھینک دو یا اپنے تئین ایک زنِ بازاری کی طرح زر و مال کی ہر بڑی بولی کے معاوضہ مین تج دو اور رئیسون کی گاڑیون کے گدّون پر فحش تصویرین بنا کر اپنا وقت کاٹا کرو!

اے عدیم المثال پگل، فڈیس، اور پرکیسی ٹیلر کے حریف مقابل، تو کہ جس کی رخانی عہد قدیم کے دیوتاؤن کے بُت تراشنے مین اِستعمال ہوتی تھی، ہان تیرے سامنے بھی یہی سوال ہی کہ یا تو اپنے ہاتھون کو برہنہ بندرون کا مجسمہ بنانے سے ذلیل کر اور یا پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہ!

ایام قدیم کی سادگی اور حُسن سیرت کا جب ہم تصور کرتے ہین تو ہمارا دِل مسّرت بے اندازہ سے لبریز ہو جاتا ہی، اِس تخیُل کو تشبیہ کے پیرایہ مین ہم یون بیان کرسکتے ہین کہ گویا ایک شاداب و دلکش ساحل ہی جس کو قدرت نے اپنے ہاتھ سے سنوارا ہی اور جس پر ہماری ٹکٹکی لگی ہی، جبکہ ہماری کشتی حسرت و افسوس کے ساتھ رفتہ رفتہ اس سے دور ہوتی جاتی ہی، انسان جب عصمت و نیکی کا پتلا تھا اور اِس امر کا خواہان تھا کہ دیوتا اِس کے اعمال حسنہ کا برائے العین مشاہدہ کرین تو وہ دیوتاؤن کو اپنے ساتھ اپنی جھونپڑی مین رکھتا تھا، لیکن جب اوس نے بداعمالی پر کمر باندھی تو اغیار کی نظرون سے بچنے کی فکر ہوئی اور اس نے دیوتاؤن کو عالیشان مندرون مین بھگا دیا، بالآخر اون کو یہان سے بھی نکال باہر کیا اور وہان خود سکونت پذیر ہو گیا، یا دوسرے لفظون مین یہ کہو، کہ اس نے اپنے ایوان و محل، مندرون اور خانقاہون سے بھی زیادہ پرشوکت بنائے، یہ بداعمالی کی انتہا تھی اور بدی کے واسطے ترقی کا شاید اِس سے زیادہ بلند درجہ باقی نہ تھا، جبکہ وہ رؤسا کے در و دیوار پر منقوش ہوئی،

اور عالیشان ستونون کی پیشانی پر کو نسی وضع کے بیل بوٹون کے پیرایہ مین کھودی گئی،

جون جون حیات انسانی کے اندر سہولتون کا اضافہ ہوتا جاتا ہی، فنون کی اشاعت اور سامان عیش و عشرت کی ترقی ہوتی جاتی ہی، مگر شجاعت کا جوہر مع دیگر فضائل کے انحطاط پذیر ہوجاتا ہی، اور یہ لازمی نتیجہ ہی علوم و فنون کے شیوع کا بالخصوص اون فنون کا جو خانہ نشینی چاہتے ہین، گوتھ قوم نے جب یونان کو تاراج کیا تو کتب خانے نہین جلائے، جلانے سے چھوڑ دیے تاکہ اون کے دشمنون کے درمیان اس شئے کا وجود قائم رہے جس نے اون کو فن سپاہگری سے غافل رکھا تھا اور کتب خانہ پرست بنا دیا تھا

چارلس ہشتم نیام سے تلوار نکالے بغیر ٹسکنی اور نیلپز کا مالک بن گیا تھا اور اس غیر متوقع کامیابی کا راز، اس کے اہل دربار کے نزدیک یہ تھا کہ اطالیہ کے شہزادے اور شریف زادے فوجی و عملی مشاغل کے بجائے فلسفہ و منطق کے مطالعہ پر مفتون تھے، ایک معاملہ فہم مورخ جس نے ان لوگون کے جملہ خصوصیات قلم بند کئے ہین، لکھتا ہی کہ ”تجربہ قطعی طور پر بتلاتا ہی کہ علم و فن کی جانب رغبت اور اس کی تحصیل، انسان کو بزدل بلکہ نامرد بنا دیتی ہی اور فوجی یا اسی قبیل کے دیگر مشاغل کے واسطے، ان کو بالکل از کار رفتہ بنا دیتی ہی“

اہل رومہ خود تسلیم کرتے ہین کہ ایک طرف اونھون نے فنون لطیفہ مین ترقی کی اور مصوری و سنگ تراشی مین کمال حاصل کیا اور دوسری طرف اپنے فوجی فضائل کی دولت کو ہاتھ سے کھو دیا، معلوم ایسا ہوتا ہی کہ قدرت کو منظور ہی یہ ہی کہ یہ ملک تمام دنیا کے واسطے تازیانۂ تنبیہ بنے، اسلیئے کہ مسیڈائیون نے پھر زور باندھا ہی اور علم و ادب اور شعر و سخن کی پھر شروعات ہوئی ہی، اس سے اطالیہ کی رہی سہی فوجی شہرت کا چند آیندہ صدیون کے واسطے خاتمہ سمجھ لینا چاہیے،

یونان کی قدیم جمہوری سلطنت نے جس کی دانشمندی اور دوربینی اِس کے اکثر رسومات سے ظاہر ہوتی ہی، اِن تمام مشاغل کو ممنوع قرار دیدیا تھا جو انسان کو بیٹھے بیٹھے انجام دینا ہوتے ہین، اسلیئے کہ اون کے اثر سے جسمانی توانائی برباد اور دماغی پستی کا کھوج مارا جاتا ہی، غور کرو کہ وہ شخص جو نہایت معمولی حاجت کے لاحق ہونے اور ذرا سی مشکل پیش آجانے سے سراسیمہ ہوجاتا ہے، وہ بھلا، بھوک، پیاس، تکان، خطرات اور موت کا کہان تک مقابلہ کرسکتا ہی، ظاہر ہی کہ وہ سپاہی جو مشقت سے بالکل نا آشنا ہی، جنگ کے صعوبات اُٹھانے مین کیا پامردی دکھا سکتا ہی اور وہ فوج جس کے افسر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئے ہوئے تھک جاتے ہین، کیا خاک، دور و دراز منزل قطع کرنے مین جوش و مستعدی دکھا سکتی ہی، آج کل کے سپاہی جن کی فوجی تعلیم نہایت باقاعدہ، فن سپاہگری کے اُصول پر ہوتی ہی، صرف دن بھر کے معرکۂ جنگ مین کچھ دادِ شجاعت دیسکین تو دے سکین، سو اِس سے میرے دعویٰ کی تردید نہین ہوتی، ہان اِن کو کسی دیر طلب، کٹھن مورچہ پر، بے رسد، بے آب و دانہ، سخت موسم مین، مدت تک پڑا رہنے دو تو ساری قلعی کُھل جائے، تھوڑی دیر کی دھوپ یا برفباری، بلکہ چند غیر ضروری حوائج کے پورا ہونے مین تاخیر، چند روز کے اندر چیدہ سے چیدہ فوج کے چھکّے چھڑا دیتی ہی، اے بہادر سپاہیو! مجھے معاف کرنا اگر مین تمہارے متعلق ایک امرِ حق کا اظہار کر رہا ہون مجھے تمہاری شجاعت مین کلام نہین ہی، مجھے اِس مین ذرہ بھر شک نہین ہی کہ اگر تم ہنی بال کے ساتھ ہوتے تو کینی اور ٹریسی مین کو فتح کرلیتے، نیز یہ کہ تم قیصر کے ساتھ ربی کان سے ضرور گذر جاتے اور راوس کو ملک گیری مین پوری امداد پہونچاتے یہ سب مین مانتا ہون، لیکن تقصیر معاف، آپ ہنی بال کے ہمراہ کوہ الپس کو عبور نہین کرسکتے تھے،

اور قیصر کے ساتھ اپنے اسلاف، گال کو مغلوب نہین کر سکتے تھے،

کسی جنگ کی کامیابی کا مدار محض کشت وخون اور معرکۂ جدال وقتال کے واقعات ہی پر نہین ہی، بلکہ سپہ سالاری بھی کوئی چیز ہی اور یہ دراصل سب سے مقدم ہے، ممکن ہی کہ ایک بہادر گولیون کی بارش مین میدان مین قدم جمائے کھڑا رہے، لیکن فوج کی قیادت کا اہل نہو، معمولی سپاہی کے اندر بھی جسمانی طاقت اور جوش، نری شجاعت کے مقابلہ مین زیادہ کارآمد جوہر ہین، اس لیے کہ خالی شجاعت موت سے نہین بچا سکتی . سپاہی خواہ سردی اور بخار کا لقمہ بنے اور خواہ تلوار کے گھاٹ اُترے سلطنت کا زیان، دونون حال مین یکسان ہی ہی،

الغرض علوم وفنون کی ترقی اگر ایک طرف فوجی اوصاف کی جڑ کاٹ رہی ہی، تو دوسری طرف محاسن اخلاق کے حق مین کانٹے بورہی ہی، جدھر دیکھو بڑے بڑے دارالعلوم نظر آتے ہین، جہان طلبار کو ہر فن مین طاق بنایا جاتا ہی، مگر نہین بتایا جاتا تو یہ کہ اون کے فرائض کیا ہین، وہ اپنی مادری زبان سے تو کورے رہتے ہین، مگر مردہ زبانین جو دنیا کے پردہ پر کہین نہین بولی جاتین، فر فر بول سکتے ہین، وہ ایسے شعر بھی کہہ سکتے ہین جن کا مطلب خود بھی نہین سمجھ اور سمجھا سکتے اور اگرچہ وہ خود حق وباطل مین تمیز نہین کر سکتے، لیکن ان کو ایک ایسا فن آتا ہی جس کی مدد سے وہ ایسے مغالطات تصنیف کر سکتے ہین کہ دوسرا بھی چوندھیا جائے اور صحیح وغلط مین امتیاز نہ کر سکے، ان تمام اوصاف کے زیور سے تو وہ سرتاپا آراستہ ہین لیکن، الوالعزمی، عدل، عفت، انسانیت، اور شجاعت، ایسے الفاظ ہین جو کبھی اون کے دل مین شرمندۂ معنی نہین ہوئے، ملک کے پیارے نام سے اون کے کان ناآشنا ہین، اور اون کے منہ سے خدا کا پاک نام اس لئے نہین نکلتا ہی کہ اون کو اس کا دھیان ہے،

بلکہ اِس لئے کہ اون کو اس کا ڈر لگا ہی، ایک عاقل کا قول ہی کہ ایسی درسگاہون مین بھیجنے کے بجائے
مین بدرجہا بہتر سمجھتا ہون کہ اپنے بچے کو ٹینس کورٹ مین بھیجدون، اِس لئے کہ وہان کھیل کود سے
اوس کو کچھ جسمانی فائدہ تو پہونچے گا، مین اِس نکتہ سے بے خبر نہین ہون کہ بچون کو ہمیشہ کسی نہ کسی
مشغلہ مین پھنسائے رکھنا چاہیئے، اسلئے کہ بیکاری اون کے حق مین زہر ہے، لیکن سوال یہ ہی کہ
ان کو کیا تعلیم دی جائے؟ اون کو تعلیم ایسی دینا چاہیئے جو آیندہ کام آئے، نہ ایسی کہ جس کا بھول
جانا ہی اچھا ہو،

سنیئے، اسپارٹا مین تعلیم کا طریقہ کیا تھا، مورخ ناٹسین نے نہایت بسط و شرح کے ساتھ وہان کے
سب سے بڑے بادشاہ کی تعلیم کا حال لکھا ہی، اسپارٹا کی کل درسگاہون مین ادب کی تعلیم سے
زیادہ اخلاق پر زور دیا جاتا تھا، حتی کہ علم و ادب کے مرکزی مقام پر بھی، علماء و فضلاء کے بجائے،
شجاعت، پرہیزگاری اور عدل کے جواہر سکھانے والون کی مانگ تھی،

ایران قدیم کے ولیعہد کی تعلیم پر ایک نظر ڈالو، افلاطون کا بیان ہی کہ ولادت کے بعد شہزادہ
عورتون کے حوالہ نہین کیا گیا، بلکہ اون خواجہ سراؤن کے سپرد کیا گیا، جو اپنے محاسن اخلاق اور
مکارم اوصاف کے اعتبار سے بڑا مرتبہ رکھتے تھے، اور مقرب بارگاہ سلطانی تھے، اِن کا کام شہزادہ کی
جسمانی صحت و صورت کی دیکھ بھال تھا، سات سال کا سن ہونے پر اونھون نے شہزادہ کو شہسواری کا
فن سکھایا اور سیر و شکار کا چسکا ڈالا، چودھوین سال وہ چار آدمیون کی تربیت مین دیا گیا، جن مین سے
ایک سلطنت بھر مین سب سے زیادہ دانشمند، دوسرا سب سے زیادہ عادل، تیسرا سب سے
زیادہ پرہیزگار، اور چوتھا سب سے زیادہ شجاع تھا، پہلے شخص نے مذہبی تعلیم دی، دوسرے نے

حق اور انصاف پر جما یا تیسرے نے نفسانی خواہشات کو دبانے کے گر بتائے اور چوتھے نے ہر ممکن خطرہ سے اوس کا ڈر نکال دیا، اور اِس طرح سب نے مِل جُل کر شہزادہ کو خدا کا ایک نیک بندہ بنا دیا نہ یہ کہ ان مین سے کوئی اِس کو عالم فاضل بنانے کی سعی لاحاصل کرتا،

زنوفن کے مکالمات مین ہی کہ ایسٹا ئیجیز، سائرس سے کہتا ہی کہ بھئی اپنے مکتبی زندگی کا سب سے آخری واقعہ تو بیان کرو، سائرس بیان کرتا ہی کہ مدرسہ مین دو لڑکے تھے ایک بڑا تھا، اور ایک چھوٹا تھا، بڑے لڑکے کا کوٹ، چھوٹا تھا اور چھوٹے کا بڑا تھا، چنانچہ بڑے لڑکے نے چھوٹے لڑکے کا کوٹ چھین لیا اور اپنا چھوٹا کوٹ اوس کے سر مارا، شکایت ماسٹر تک پہونچی اور اونھون نے مجھے ثالث مقرر کیا، چنانچہ تفتیش و سماعت کے بعد مین نے اپنا فیصلہ یہ دیا کہ چونکہ دونون لڑکون کی نئی پوشاک دونون کو سجتی ہی اور اون کے ٹھیک ہی، لہذا معاملہ کو اِسی طرح رہنے دیا جائے، ماسٹر نے جب میرا یہ فیصلہ سُنا تو بہت خفا ہوئے اور کہا کہ تم نے محض ظاہری درستی اور تن آسانی پر فیصلہ دیدیا حالانکہ آرام و درستی پر عدل مقدم ہی، عدل کی اساسی منشا یہ ہی کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز پر زبردستی قابض نہ ہو،

ہمارے باغات بتون سے سجے ہوئے ہین اور ہمارے عجائب خانہ تصویرون سے آراستہ ہین اور یہ گویا فنون لطیفہ کے کارنامون کی نمایش، پبلک قدر دانی کے لئے کی گئی ہی، لیکن تم اِس کا کیا نتیجہ نکالتے ہو، آیا یہ مجسمہ اون اکابر رجال کی یادگار ہین جنھون نے ملک کی حفاظت مین اپنی جان دیدی، یا ان سے بڑھکر ان لوگون کی یادگار ہین جنھون نے اپنے فضائل اخلاق کی دولت سے ملک کو مالا مال کر دیا؟ نہین ہرگز نہین بلکہ یہ ان رکیک اور مبتذل جذبات کے مجسمات ہین، جن کو

اساطیر قدیمہ سے لیکر بچون کے سامنے سب سے پہلے پیش کردیا جاتا ہی تاکہ نوشت وخواند کی تحصیل سے قبل بداعمالی کا زہراثر کرجائے،

لیکن یہ تمام خرابیان کہان سے پیدا ہوئین، ظاہر ہے کہ یہ تمام نتیجہ ہی اس عدم مساوات کا جو عالم انسانیت کے اندر علمیت و دستگاہ کے اختلاف مراتب اور فضائل اخلاق کی بے قدری کی وجہ سے پیدا ہوجاتے ہین، ہمارے تحصیل علوم کا یہ سب سے زیادہ درخشان اور سب سے زیادہ خطرناک اثر ہی، انسان سے متعلق آج یہ سوال نہین ہوتا کہ آیا وہ ایماندار ہی یا نہین، بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا وہ چالاک ہی کہ نہین، اس امر کا مطلق لحاظ نہین کیا جاتا کہ آیا فلان کتاب مفید ہی یا غیر مفید، بلکہ تلاش یہ ہوتی ہی کہ اس کی عبارت چست پتی ہی یا نہین، جودت اور جدت پر انعام واکرام کی بوچھاڑ ہوتی ہی، مگر "نیکی" کا کوئی پرسان حال نہین، انشاپردازی کے کارنامون کے لیئے ہزارہا انعامات ہین، لیکن نیک کامون کے لیئے ایک بھی نہین، کوئی مجھے بتائے کہ اس اکاڈمی (دارالعلم) کا بہترین انعامی مضمون جو سب سے بڑا انعام حاصل کرتا ہی، کیا وقعت مین اس کارخیر کے مساوی ہوسکتا ہی جس نے انعامی مضمون کی بنیاد ڈالی؟

دانا کبھی عزت واقبال اور مال ومنال کا تعاقب نہین کرتا، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ اسکے دل مین ناموری کی چاہت ہی نہین ہی، جبکہ وہ حشمت وریاست کی دنیاوی تقسیم مین اس قدراندھیر دیکھتا ہی تو اوس کے قلب مین مسابقت کا ولولہ ہی نہین اٹھتا اور اوس کی نیک کرداری جو سوسائٹی کے حق مین آیۂ کرم ثابت ہوتی، مرجھا جاتی ہی اور گمنامی وافلاس کے غار مین گر کر، ناپید ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہی کہ ہم فنون لطیفہ کا پلہ فنون مفیدہ پر بھاری دیکھتے ہین، علوم وفنون کے نشأۃ جدیدہ نے

اِس حقیقت کو افسوسناک طریقہ پر ثابت کر دیا ہی، ہمارے درمیان، ماہرین طبیعیات، اہل ہندسہ، علمائے کیمیا، نجومی، شاعر، مبصرین موسیقی اور مصور تو کثرت سے پائے جاتے ہین، لیکن ایک متنفس نہین، جس کو صحیح معنی مین فرزند ملک و قوم کہا جا سکے اور اگر دیہات مین خال خال ہوئے بھی تو اون کے مقدر مین گمنامی و کس مپرسی کی موت ہی، یہ ہی ہمارا حال اور یہ ہی ہماری غفلت، انسان کے اِس مفید ترین طبقہ کی جانب سے جو ہم کو رزق مہیا اور ہمارے بچون کو دودھ سے سیراب کرتا ہی،

یہ ضرور ہی کہ ابھی فتنۂ و شر اس درجہ تک نہین پہونچا ہی جس درجہ تک اسے پہونچ جانا چاہیئے

جس طرح کارسازِ مطلق کی حکمت نے زہریلے پودون کے پہلو مین زہرمار پودے پیدا کیے ہین اور زہریلے جانورون کے جسم کے اندر اون کا تریاق پیدا کیا ہی، اسی طرح اِس زمین کے فرمانرواؤن کے آئینۂ قلب پر بھی، اوس کی حکمت بالغہ کا پرتو موجود ہوتا ہی اور اِس لحاظ سے ان کو ظل اللہ کہنا کیا بیجا ہی؟ اپنے خالق حکیم کے قدم بقدم، یہ سلاطین عظام، جن کے آفتابِ شہرت کے انوار، روز افزون ہوتے ہین، شر کے سینہ سے، خیر کو چیر کر نکال لیتے ہین اور بحیرۂ علم مین ڈوبی ہوئی نیکی کی کشتی کنارے لگاتے ہین، ان کے عہدِ معدلت مہد مین، دنیا کی مشہور انجمنین نشو و نما پاتی ہین، جو اگرچہ ایک طرف علم و فضل کی خطرناک امانت کی کفیل ہوتی ہین، لیکن دوسری طرف، فضائل اخلاق کی مقدس سرپرست ثابت ہوتی ہین، یہ انجمنین اخلاق کو طاہر و پاکیزہ رکھنا، اپنا اور اپنے ہر ممبر کا فرض عین تصور کرتی ہین،

یہ مفید انجمنین اگر دا ئستان تخت و تاج کی سرپرستی سے بہرہ اند و ز رہین اور دیگر شاہان یورپ نے بھی تقلید کی، تو علم و فضل جو اِس مین داخلہ کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہین، ذرا اپنی حرکات ناشایستہ سے چوکس رہینگے اور مشاغل مفیدہ و اعمال حسنہ کے اختیار کرنے سے اپنے تئین، عزت

مزعومہ کا اہل ثابت کرنے کی سعی بلیغ کرینگے،

اِن انجمنون کی طرف سے علمی مضامین کے واسطے انعامات مقرر کیئے جاتے ہین اور ایسے عنوانات تجویز کیئے جاتے ہین، جن پر غور کرنے سے، دل آپ سے آپ نیکی پر مائل ہو، یہ اون کی نیک نہادی کا کھلا ہوا ثبوت ہی، اِس نوعیت کی علمی انجمنون کو دیکھ کر جو ایک طرف، ایک خوشگوار ذہنی مشغلہ کا سامان مہیا کرتی ہین اور دوسری طرف مفید تعلیم کی روشنی پھیلاتی ہین حقیقی مسرت ہوتی ہی،

اگر ان خیالات پر کوئی اعتراض وارد کیا جائے، تو وہ اعتراض میرے دعوی کا مزید ثبوت ہوگا، قاعدہ ہی، جب انتہائی اہتمام کیا جاتا ہی تو اس کا باعث بھی ضرور ہوتا ہی، اگر مرض نہو تو دوا و دوش کیا ضرور ہی، علوم کی مسلمہ بے اثری کے باوجود، دعوی کیا جاتا ہی کہ وہ ہمارے امراض کی دوا ہین، چنانچہ علم و فضل کی تحصیل و تکمیل کے واسطے [illegible] ہا دوسگا ہین جو کھلی ہوئی ہین، وہ حقیقت حال پر پردہ ڈالکر، تحصیل علم کی ترغیب دیتی ہین اور اِس جوش استعلام و استکشاف کو دیکھکر گمان ہوتا ہی کہ فلسفیون کا ملک مین قحط پڑ گیا ہی اور کسانون کی کثرت سے ملک پٹ گیا ہی، مین یہان کشاورزی اور فلسفہ کا موازنہ نہ کرون گا، اسلیئے کہ فلسفہ اس کا متحمل ہی نہین ہوسکتا، مین بس یہ سوال کرتا ہون کہ فلسفہ آخر ہی کیا، مشاہیر فلاسفہ کی تصنیفات کا ماحصل کیا ہی اور عقل و دانش کے ان دوستون کے کیا نصائح ہین، اگر ہم ان کی باتین سُنین تو ہم کو ایسا معلوم ہوگا جیسے کوئی ٹھگ بدیا دوا فروش بازار مین کھڑا ہانک رہا ہی کہ "ایہا الناس! ادھر آؤ! ادھر آؤ! مین ایک طبیب حاذق ہون ..... وغیرہ وغیرہ، اِن فلسفیون مین سے کوئی تو کہتا ہی کہ سرے سے مادہ کا وجود ہی نہین، دوسرا کہتا ہی کہ نہین بلکہ مادہ کے علاوہ کسی شئی کا وجود نہین اور یہی خدا ہے

تیسرا کہتا ہی کہ خیر و شر، اسم بے مسمی اور تصور بے مصداق ہین اور حسنات و سیأت کی تفریق واہمہ کا نقش زیادہ ہی، جس کا خارج مین کوئی وجود نہین، چوتھا کہتا ہی کہ انسان ایک درندہ ہی اور نہایت ایمانداری کے ساتھ ایک دوسرے کو پھاڑ کھا سکتا ہی، اے میرے عظیم الشان فلسفیو! تم بس ہمین تو بخشو، تم ان نصیحتون کو اپنی اولاد اور دوستون کے لیئے اُٹھا رکھو، تم انشاءاللہ اس کا مزہ بہت جلد چکھ لوگے، اور پھر ہم کو بھی تمھارے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے مین کسی طرح کا وسوسہ نہ رہیگا،

یہ وہ عجیب و غریب آدمی ہین ہم عصرون مین عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین اور موت کے بعد حیات جاوید کے دعویدار ہین، ان کے عاقلانہ اقوال، جن سے نسلاً بعد نسل استفادہ ہوتا رہے گا، بُت پرستی باوجود اپنی تمام ہرزہ سرائیون کے ان شرمناک یادگارون کے سامنے گرد ہی جو پریس نے عین عہد ناجیل مین قایم کر دی ہین،

لیوسپس اور ڈاگورس کے ناپاک نوشتہ جات اون کے ساتھ دفن ہوگئے تھے، اوس زمانہ مین دنیا اس فن سے بیگانہ تھی، جس کے ذریعہ سے انسانی دماغ کی غلط کاریان اور بے اعتدالیان حیات سرمدی پا سکتی ہین لیکن فن طباعت کا ہزار ہزار شکریہ کہ ہابس اور اسپینوزا کے خیالات کا زہر ابد الآباد تک پھیلتا رہیگا،

پریس کے خطرناک نتیجون کو دیکھ کر خیال ہوتا ہی کہ یورپ کے سلاطین نے جس قدر، قرون ماضیہ مین اس کو ترقی دی تھی، اوس سے کہین زیادہ، آیندہ چلکر، اس کے مٹانے مین کوشان ہونگے سلطان احمد نے چند شایقین علم و اصحاب ذوق کے کہنے سننے سے قسطنطنیہ مین ایک مطبع قایم کیا تھا، لیکن کام شروع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ سلطان کو حکم دینا پڑا کہ سارا سامان کنوین مین ڈلوا دیا جائے

خلیفہ عمر کے متعلق روایت ہی کہ جب اون سے دریافت کیا گیا کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کے بارے مین کیا حکم ہی تو اونھون نے جواب دیا کہ "اگر کتب خانہ مین ایسی کتابین ہین جو قرآن مجید کے خلاف ہین تو وہ شر کا گھر ہی اور اوس کو جلا دینا ہی بہتر ہی اور اگر اوس مین ایسی کتابین ہین جو ہم کو وہی باتین بتاتی ہین جو قرآن پاک مین موجود ہین تو پھر اوس کا عدم وجود برابر ہی" علماء حال اس دلیل کا مضحکہ اڑاتے ہین، لیکن اگر خلیفہ کے بجائے گریگری اعظم ہوتا اور قرآن کی جگہ انجیل ہوتی، تو کتب خانہ اوس وقت بھی نذر آتش ہوتا اور یہ اوس کی حیات کا بہترین عمل ہوتا،

اے مشہور کتابو! تم جو ہمارے اسلاف کے فہم و استعداد سے باہر تھین، جاؤ ہماری اولاد کے پاس جاؤ، مع ان تمام کلیات اور دواوین کے جاؤ جو تمدن جدید کے اطوار رذیلہ سے متعفن ہین جاؤ تم سب ہم آواز ہوکر علم و فن کی ترقی کا گیت گاؤ، اگر ہمارے اخلاف سمجھدار ہون گے تو یقین ہے کہ اون کو ہمارے دعوی کی نسبت ذرہ برابر شک نہ ہوگا اور اگر اوس وقت بھی نوع انسان کا دماغی سطح ہم سے بھی زیادہ پست نہ ہوئی تو وہ بیقرار ہوکر آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگین گے کہ "اے قادر مطلق تو جو انسان کے دماغ کا خالق و مختار ہی، ہمارے آبا و اجداد کے علوم و فنون سے ہم کو نجات بخش اور ہماری نادانی، پارسائی اور محتاجی کو واپس دیدے" اسلئے کہ یہی وہ چیزین ہین جو ہم کو طمانیت قلب بخش سکتی ہین اور تیری نظر مین ہم کو محبوب بنا سکتی ہین،

الغرض علوم و فنون کی ترقی نے اگر ہماری حقیقی مسرت مین کچھ اضافہ نہین کیا ہی، بلکہ ہمارے اخلاق کو خراب کر دیا ہی اور ہمارے مذاق سلیم کو بگاڑ دیا ہی، تو سوال ہی کہ ہم علماء کے اوس گلہ کو کن لفظون سے یاد کرین جنھون نے ایک ایک کر کے اون تمام رکاوٹون کو دور کرنے کی کوشش کی ہے،

جو علم کے شجر ممنوعہ کی راہ مین قضا و قدرت نے اِس مصلحت سے حائل کی تھین کہ ہر کس و ناکس کے قدم کو اِس طرف بڑھنے کی مجال نہو اور تنہا وہ جن کو علم کی طلب صادق ہے اپنی قوت کی آزمایش کرین، ہم اون مُولفین کو کیا کہین جنھون نے علم کے مندر کا قفل توڑ ڈالا اور عوام الناس کو اُسکے اندر جانے کی صلائے عام دی، چاہیے یہ تھا کہ جو علم و ادب کی راہ مین آگے نہین بڑھ سکتے، اون کی پہلی ہی منزل پر ہمت شکنی کیجاتی تا کہ وہ کسی ایسے کام مین لگ جاتے جو جماعت کے حق مین مفید ہوتا جس شخص کو تمام عمر شعر کہنا نہین آسکتا جو ریاضی کا ماہر کبھی نہین ہو سکتا، بہت ممکن ہے کہ اعلیٰ درجہ کا درزی ثابت ہو، جن لوگون کو فطرت نے اپنی شاگردی کے لیے چن لیا ہے وہ ہمیشہ اُستاد کی تعلیم سے بے نیاز رہے ہین، چنانچہ بیکن. ڈیکارٹ اور نیوٹن جنھون نے کہنا چاہیئے دنیا کو درس دیا ہے کسی مدرس کے شرمندۂ تدریس نہ تھے، کونسا رہنما اون کو کوہ علم کی اون دشوار گذار چوٹیون تک لیجا سکتا تھا جہان کہ فطری استعداد نے اونھین پہونچا دیا، معمولی اُستاد کے حلقۂ درس مین رہکر اون کی استعداد بھی اُستاد کے تنگ دائرۂ قابلیت کے اندر محدود رہجاتی، اور اگر وہ ابتدائی مہمات کو بذات خود سر نہ کرتے تو پھر وہ ذاتی سعی کے فن سے ہمیشہ نا آشنا رہتے، غیرون کی دستگیری کے خوگر ہو جاتے اور علم کی اِس لق و دق وادی کو کبھی طے نہ کر سکتے، جس کی "منزل گہ مقصود" پر آج وہ فائز نظر آتے ہین، پس آج بھی علم و فن کی کٹھن راہ مین صرف اون کو چلنا چاہیے جو اگلون کے نقش قدم پر تن تنہا چل سکتے ہین، بلکہ اون سے آگے نکل جانے کی ہمت رکھتے ہین، علم و فضل کی یادگار چھوڑنا صرف معدودے چند لوگون کا حصہ ہے، اگر کسی مسئلۂ اہم کا حل تمھاری ہمت کے دائرہ سے باہر نہین تو یقین جانو کہ وہ تمھارے حد ادراک سے بھی باہر نہین ہے، اُمید، ہمت کی راہ مین شمع کا کام دیتی ہے،

اور انسان کی روح غیر محسوس طور پر اپنے مقاصد کے قالب مین ڈھل جایا کرتی ہی، چنانچہ عظیم الشان مواقع پر عظیم الشان قابلیتون کے ظاہر و آشکار ہونے کا یہی راز ہی، دنیا کا سب سے بڑا خطیب رومہ کا قنصل بھی تھا اور غالباً دنیا کا سب سے بڑا فلسفی انگلستان کا لارڈ چنسلر تھا' اگر اول الذکر کسی یونیورسٹی کا پروفیسر ہوتا یا آخر الذکر کسی علمی انجمن کا وظیفہ خوار ہوتا تو کیا اون کے کارنامے اسقدر بلند و ممتاز ہوتے. فرمانرواؤن کا فرض ہی کہ وہ اپنے دربار مین ان لوگون کو سب سے پہلے جگہ دین جو اپنے وقت کے صائب الرائے ہین، اس مہمل خیال کو چھوڑ دینا چاہیے کہ عملی جہانبانی شئے دیگر ہی اور زبانی مشورہ و نصیحت سہل ہی، مین پوچھتا ہون کہ انسان کی طبیعت کو نیکی کی جانب مائل کر دینا مشکل ہی یا اس سے زبردستی کوئی نیک کام کرا دینا دشوار ہی، ظاہر ہی کہ دشواری مین اول الذکر کا نمبر بڑھا ہوا ہی، پس چاہیے کہ دربار شاہی اعلیٰ قابلیتون کا ملجا و مامن بنے تاکہ اہل فضل جنھون نے اپنی دانائی کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو دور کیا ہی، رفاہ عام مین بھی حصہ لے سکین اور یہ بجائے خود اون کی جانفشانیون کا کافی صلہ ہوگا، نیکی، علم اور حکومت کا یکجا ہونا اور خلائق کی بہبودی مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرنا، یہی ایک صورت ہی جو اعلیٰ و مفید ترین نتائج پیدا کر سکتی ہی،

جب تک قوت و اختیار اور علم و فضل مین جدائی رہیگی، علماء کا مطمح نظر پست رہیگا، سلاطین اولوالعزمی سے مہجور رہینگے اور عوام ذلت و خواری مین پڑے ایڑیان رگڑینگے،

اب رہے ہم معمولی لوگ. جن کے ساتھ استعداد و صلاحیت کی بخشش مین مبدء فیاض نے سخاوت سے کام نہین فرمایا ہی، پس ہم کو زیبا ہی کہ گمنامی ہی پر قناعت کرین اور ناموری کو جس کے

ہم اہل نہین حاصل کرنے مین اپنا وقت ضائع نہ کرین،

اوس شہرت کی ریس کرنا جو ہمارے بس سے باہر ہی یا جو حاصل ہو کر بھی ہماری جانفشانی کی تلافی نہین کرسکتی، ایک فعل عبث ہی، غیرون کے خیالات سے جلب مسرت کرنا کونسی دانشمندی کی بات ہی جبکہ تلاش کرنے سے خود ہمارے قلب مین مل سکتی ہی، دنیا کو فرض شناسی کی تعلیم دینا اورون کے لئے چھوڑ دو، تم خود اوسکی فرض سے کام رکھو، اس سے بڑھکر سردست ہم کسی اور تعلیم کے محتاج نہین ہین،

اے نیکی تو جو سادہ لوحون کے واسطے اعلیٰ ترین علم ہی کیا تجھ سے واقف ہونے کے لئے بھی کسی ریاضت و مشقت کی ضرورت ہی؟ کیا تیرے سادہ اُصول ہر قلب پر کندہ نہین ہین؟ تیرے قوانین جاننے کے لئے سوائے اسکے اور کیا درکار ہی کہ ہم اپنا آپ احتساب کرین اور جذبات کو خاموش کر کے ضمیر کی آواز، کان دیکر سُنین!

یہ وہ سچا فلسفہ ہی جو ہم کو قناعت کی تعلیم دیتا ہی، اور ان مشاہیر عالم کی شہرت کی حرص کرنے سے جن کے نام اقلیم ادب مین مرتبۂ دوام پر فائز ہین، باز رکھتا ہی، ہم کو چاہیے کہ بڑون کی ریس کرنے کی جگہ اپنے اور اون کے درمیان وہ قابل افتخار امتیاز قایم کرین جو سابق مین دو قومون کے درمیان تھا یعنی جبکہ ایک کا طرۂ امتیاز خوبی کلام تھا تو دوسرے کا طغرائے افتخار راستی کردار تھا،

فیضی گمان مبر کہ غم دل نہ گفتہ ماند
اسرار عشق انچہ تو آن گفت گفتہ ایم

قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، الفضا، اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، صفحہ ۱۵۲

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری،

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲ /

دوسری ریڈر طبع دوم، ۴ /

رسالہ اہل سنت و الجماعت، فرقہ اہل السنۃ الجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸ /

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطا مالک پر تبصرہ،

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس وقت تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکوں اور کتبوں کا ثبوت، ۸ /

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لیے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جدوجہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں ۶ /

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا خدمتیں انجام دی ہیں،

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے، طبع سوم ۴ /

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اول کے اسلام کا عملی خاکہ، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۳۵۰،

اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۵۴۰، قیمت

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ طبع دوم قیمت

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، قیمت

سیرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت

مولوی عبد الباری ندوی،

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اسکے فلسفہ کی تشریح، مجلد، غیر مجلد

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلز آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت کا ابطال کیا گیا ہے

مولوی عبد الماجد بی اے،

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصحفی، ۱۲ /

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح

پیام امن، موسیو جرڈ یال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خون آشامی اہل یورپ کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد مولوی صاحب ممدوح کا تبصرہ ہے جس میں انہیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے اور دونوں بالکل نئے خیالات ہیں، ۱۶۰ صفحے قیمت

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت بلا جلد کاغذ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود الاثر اور اوحد عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کیے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے۔

پروفیسر سید نواب علی ایم اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف، فلسفۂ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ۔

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل و قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات در بارۂ جمع قرآن کا جواب۔ قسم اول ہے، دوم ہے

سمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی، اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ۔ ۱۰/

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق بلکہ بنیادون کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کیے گیے ہین صفحہ ۲۳۲، عا

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، عا

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان عمر

مذہب کی باتین بچون اور بچیون کی تعلیم کے لیے ۴/

رسالۂ قوت خیال، وسنی اخلاق کے باب مین ایک مشہور انگریزی رسالہ کا ترجمہ، ۴/

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات و صفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر۔ عمر

تاریخ البوالبشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدیدہ عمر

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان، علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل سلیس و عام فہم زبان مین، ۸/

رموز فطرت، طبعیات، طبقات الارض، ہیئت اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین عہ

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصور مجلد ہے

گیارہ قصے، اخلاقی معاشرتی مذہبی ۸/

نعت پیمبر، عربی، فارسی و اردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ، ۳/

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی،

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان و سہل طریقہ سے بیان کیے گیے ہین، صفحے ۲۰۱، ہے

الانسان، اس مین انسان کے تمام قواے نفسانی و جسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کیگئی ہے صفحہ ۲۰۳ قیمت ہے

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ہے

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب، قیمت ہے

متفرق کتابین،

یاد ایام، مولانا عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء نے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے ہین اور وہان کے امرا، وزرا و علما، اور مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے لکھے ہین عمر

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر میکس مولر کے سفرنامۂ قسطنطنیہ کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، عا

بدیہہ گوئی، جناب ہوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کیے ہین، قیمت عہ

الندوہ، کی جلدین موجود ہین، قیمت فی جلد ہے قیمت فی نمبر ۴/ یہ نادر ذخیرہ کمیاب ہے،

"مینجر"